پر روشنی پڑتی ہے، گاندھی جی کی تحریریں اور تقریریں ہندو مسلم اتحاد، عدم تشدد اور ہندوستان کی قومی زبان اور معاشی و اخلاقی ترقی کے متعلق خیالات پر مشتمل ہیں، لائق مرتب نے ان کی کتاب "تلاش حق" کی تلخیص کی ہے، اور ان کی پیدائش ۱۸۶۹ء سے ۱۹۱۵ء تک کے اور جناب کرشن کرپلانی نے اس کے بعد ۱۹۱۶ء سے وفات ۱۹۴۸ء تک کے واقعات و حالات لکھے ہیں، اس سے گاندھی جی کی شخصیت اور ان کے خط و خال کے علاوہ گذشتہ سو سالہ قومی جد و جہد کی سرگذشت اور جنگ آزادی کے مختلف مراحل کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، فاضل مرتب نے ان منتشر مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرکے ایک مفید قومی کام انجام دیا ہے۔

"ض"

فارم ۱۷

دیکھو رول نمبر ۸

معارف پریس اعظم گڈھ

نام مقام اشاعت :۔	دار المصنفین اعظم گڈھ
نوعیت اشاعت :۔	ماہانہ
نام پرنٹر :۔	عطاء اللہ
قومیت :۔	ہندوستانی
پتہ :۔	دار المصنفین اعظم گڈھ
نام پبلشر :۔	" "
قومیت :۔	ہندوستانی
پتہ :۔	دار المصنفین اعظم گڈھ
اڈیٹر :۔	شاہ معین الدین احمد ندوی
قومیت :۔	ہندوستانی
پتہ :۔	دار المصنفین اعظم گڈھ

نام و پتہ مالک رسالہ

میں عطاء اللہ تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔　　عطاء اللہ

جلد ۱۰۹۔ ماہ صفر المظفر ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۷۲ء۔ عدد ۴

مضامین

مقالات

ادبیات

شذرات

دار المصنفین کو ابتداء سے ریاست حیدرآباد اور بھوپال کی امداد و سرپرستی حاصل رہی، اسکا قیام انہی دونوں ریاستوں کی امداد سے عمل میں آیا تھا، جو انکے قیام تک برابر جاری رہی، اس کے بعد ختم ہوگئی تھی۔ نواب مفخم جاہ بہادر کی علم نوازی سے پھر اس دیرینہ تعلق کی تجدید ہوگئی، ممدوح نے ازراہ قدردانی دار المصنفین کی مجلس انتظامیہ کی صدارت قبول فرمائی ہے، جس کے لیے کارکنان ادارہ صمیم قلب سے نواب صاحب ممدوح کے شکر گذار ہیں،

شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کی وفات دینی و علمی دنیا کا بڑا حادثہ ہے، مرحوم ہندوستان کے نامور عالم دین دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے، انکی پوری زندگی دینی علوم کی خدمت میں گذری، تقریباً نصف صدی تک مدرسہ مسجد شاہی مرادآباد اور دار العلوم دیوبند میں انکا فیض جاری رہا، جس سے سیکڑوں تشنگان علم سیراب ہوئے، مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کے بعد دار العلوم کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے، درس و تدریس کے ساتھ ملک و ملت کے بھی مجاہد تھے، خلافت اور ہندوستان کی آزادی کے تحریکوں میں نمایاں حصہ لیا اور قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں، تدین و تقویٰ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ ان کے مدارج بلند فرمائے،

دوسرا حادثہ شیخ محمد اسماعیل صاحب صدر مسلم لیگ کی وفات کا ہے، وہ ملک و ملت کے پرانے خدمتگذار تھے، ایک زمانہ میں کانگریسی تھے، پھر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے تھے، جنوبی ہند کی سیاست میں انکو نمایاں مقام حاصل تھا، یہ انہی کی شخصیت تھی کہ ملک کی تقسیم کے بعد جب ہندوستان میں لیگ کی کوئی گنجائش نہیں

رہ گئی تھی، جنوبی ہند میں اس کو دوبارہ زندہ کیا، پھر ملک کے مختلف حصوں میں اسکو پھیلا دیا، مگر اسکو فرقہ پروری سے اتنا دور رکھا، اور ملکی حالات سے اتنا ہم آہنگ کر دیا کہ اسکے مخالفین کو بھی گرفت کا موقع نہ مل سکا اور کانگریسی حکومتوں تک کو اس سے معاملت کرنا پڑی، اب ملت کے ایسے بڑے غمگسار مشکل سے پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے،

جدہ کی اسلامی کانفرنس اس حیثیت سے کامیاب رہی کہ اس میں تیس اسلامی ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے اور مسلمانوں کے اہم ملی مسائل پر غور اور اسکے متعلق مفید تجویزیں منظور کیں، یہ شکر کا مقام ہے کہ ایک مدت کے تجربہ کے بعد اب اسلامی ملکوں کو اسلامی وحدت کا احساس پیدا ہوا جو نہ صرف مذہبی بلکہ سیاسی حیثیت سے بھی ان کے لیے ضروری ہے۔ اس وقت تقریباً ۲۰، ۲۲ آزاد اسلامی ملک ہیں جو اقوام متحدہ کے ممبر ہیں، اگر وہ متحد ہوجائیں تو بین الاقوامی معاملات میں انکی آواز موثر بن سکتی ہے اور یہ کام عرب ہی انجام دے سکتے ہیں، خصوصاً سعودی عربیہ کو جو دینی مرکزیت حاصل ہے، وہ کسی ملک کو نہیں ہے، ان کے پاس دولت بھی ہے، جو اس قسم کی تنظیموں کے قیام کے لیے ضروری ہے، اس وقت بھی ان کے مصارف کا بڑا حصہ وہی برداشت کرتے ہیں،

لیکن اسلامی اتحاد کے لیے سب سے پہلے خود عربوں میں اتحاد ضروری ہے، اس اتحاد کی صدا سب سے پہلے عرب ہی سے اٹھی تھی، اسی نے انکو متحد کیا تھا، "واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً" لیکن آج وہی اختلاف کا سب سے بڑا شکار ہیں، یہ صحیح ہے کہ انکے مسائل جدا جدا ہیں، اس لیے ان میں اتحاد آسان نہیں ہے لیکن ان ذاتی مسائل کے علاوہ مشترک مذہبی ملی اور اقتصادی مسائل میں تو اشتراک و تعاون ہو سکتا ہے، جو سب کے لیے یکساں مفید ہے، اس راہ میں دشواریاں بھی ہیں، مگر جس حد تک بھی اتحاد ہو جائے ان کے لیے مفید ہی ہوگا اور یہ اسلامی سکریٹریٹ کا بڑا کارنامہ ہوگا،

اللہ تعالیٰ نے عربوں کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، عرب ملک ہر طرح کی نعمت و دولت سے مالا مال ہیں، مشرق وسطیٰ کا پورا علاقہ "سیال سونے" کا مخزن ہے جس کی ساری دنیا کو احتیاج ہے، انکی جغرافی پوزیشن یہ ہے کہ پاکستان سے اسلامی ملکوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایشیا و افریقہ ہوتا ہوا یورپ کی سرحد تک چلا جاتا ہے، درمیان میں اسرائیل کی چھوٹی سی پٹی کے علاوہ کوئی غیر مسلم ملک نہیں ہے اگر ان میں اتحاد اور اپنے وسائل سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو وہ ایشیا کے پاسبان بن سکتے ہیں، افسوس یہی ہے کہ نہ ان میں اتحاد ہے اور نہ اپنی دولت سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہے، دولت کا بڑا حصہ تعیشات میں صرف ہوتا ہے، اور وہ معمولی معمولی ضروریات زندگی کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں، اب انھوں نے صنعت و حرفت کی طرف توجہ کی ہے، اسلامی اتحاد سے اس میں بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے،

اسلامی ملکوں کو سب سے زیادہ نقصان خود ان کے اختلاف نے پہنچایا ہے، مختلف ملکوں کے درمیان اتحاد کا کیا ذکر ایک ملک کے باشندوں میں بھی اتحاد نہیں، جس پر ان کے آئے دن کے انقلاب شاہد ہیں، پاکستان کا انقلاب اس کی تازہ مثال ہے، مگر پاکستان نے اس سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، جس اقتدار پسندی اور صوبائی اور لسانی عصبیت نے بنگلہ دیش کو الگ کیا تھا، اب وہی مغربی پاکستان میں بھی ابھر گئی ہے، بنگلہ دیش میں تو صرف بنگالی اور غیر بنگالی کا سوال تھا پاکستان میں تو پختون، پنجابی، سندھی اور بلوچی چار چار عصبیتوں کا سامنا ہے، اگر یہی صورت حال رہی تو پاکستان کی بھی خیر نہیں، خدا ہی اس کو راہ راست پر لائے،

مقالات

عہد اکبری کے فارسی ادب و زبان پر ایک نظر

از سید صباح الدین عبد الرحمن

عہد اکبری (۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء) کو فارسی زبان و ادب کے فروغ کا ایک زریں دور کہا جا سکتا ہے، اس زمانہ میں اس زبان کی جو سرپرستی ہوئی، وہ اپنی مثال آپ ہے، شاہی دربار اور پھر اس کے امرا نے اس زبان کے فضلا، علما، اور شعراء کو جس طرح اپنی فیاضیوں سے سیراب کیا، اس کی شہرت ہر طرف پھیلی ہوئی تھی، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس زبان کے بولنے والوں کا کوئی ایسا علاقہ اور کوئی ایسا شہر باقی نہیں رہا تھا، جہاں سے فضلا اور شعراء ہندوستان آکر یہاں کی زرپاشیوں سے متمتع نہیں ہوئے، ان کے شاندار اجتماع کی وجہ سے ہندوستان زبان حال سے کہہ رہا تھا،

نیست در ایران زمیں سامان تحصیل کمال   تا نیامد سوے ہندوستان حنا رنگیں نشد

لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو ایرانی الاصل شعراء ہندوستان آئے وہ اپنے ایرانی پندار اور غرور میں ہندی الاصل شعراء کو اپنا مد مقابل نہیں سمجھتے رہے، مگر جب یہی ایرانی الاصل شعراء ہندوستان میں رہ بس گئے، تو آج ایران میں ان کو سبک ہندی کا حامل سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، عرفی شیرازی اور نظیری نیشاپوری حتی کہ صائب بھی

سبک ہندی کے نمائندے سمجھے جانے لگے ہیں، حالانکہ وہ اگر ایران میں رہ کر وہی سب کچھ کہتے جو انھوں نے ہندوستان میں کہا ہے تو وہ ایرانی سبک کے مایۂ ناز شعرا سمجھے جاتے۔ اس بحث سے قطع نظر یہاں پر دکھانا مقصود ہے کہ فارسی زبان میں ہندوستان کے اس دور میں بڑی رنگا رنگی پیدا ہوئی۔

اس عہد میں مہابھارت، رامائن، اتھربن، بھگوت گیتا، راج ترنگنی جیسے سنسکرت کے کلاسیکل ادب کے فارسی میں منتقل ہو جانے سے اس زبان کی دولت میں ایک بڑے علمی سرمایہ کا اضافہ ہوا۔ افسوس ہے کہ مہابھارت اور رامائن کے فارسی ترجمے ابتک مخطوطات کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، ان کو ایڈٹ اور طبع کر کے اہل علم تک پہنچانے کی ضرورت ہے، تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ان ترجموں میں اس زمانہ کے اہل قلم نے اپنا قلمی جوہر کس طرح دکھایا ہے، ان ترجموں سے یہ بھی فائدہ ہوا کہ ہندوؤں کی مذہبی اور علمی وراثت محض ان ہی کے لیے ایک سربمہر خزانہ نہیں رہی بلکہ غیر ہندوؤں خصوصاً مسلمانوں کو بھی ان سے واقفیت ہو گئی اور یہ دلچسپی اتنی بڑھی کہ آئندہ بھی سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے برابر جاری رہے،

اس دور میں تاریخ نویسی کا معیار بھی بہت بلند ہوا، اکبر نامہ تو تاریخ و ادب دونوں کا شاہکار ہے، اس پر اکبر کی چاپلوسی اور مداحی کا اعتراض ہوتا رہتا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے بہتر تاریخ ہندوستان میں نہیں لکھی گئی، آئین اکبری تو برطانوی حکومت کے نظم و نسق میں بھی مشعل راہ بنی رہی، تاریخ الفی، طبقات اکبری، منتخب التواریخ، تاریخ ہمایوں و اکبر، تاریخ کشمیر وغیرہ میں منتخب التواریخ کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس کا انداز بیان کچھ ایسا اچھوتا ہے کہ اس کے مصنف پر تعصب کا جتنا بھی الزام رکھا جائے، اس کی اہمیت نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہے، دوسری نثری تصانیف میں انجیل،

معجم البلدان، کلیلہ دمنہ، جامع رشیدی، تاریخ الحکما، بحر الاسمار وغیرہ کے فارسی ترجموں سے فارسی لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا، لیکن وہ ادبی حیثیت سے زیادہ مقبول نہ ہو سکیں، البتہ تزک بابری کے فارسی ترجمہ کو شوق سے پڑھا گیا، اس دور میں ادبی حیثیت سے سہ نثر ظہوری کو بڑی مقبولیت ہوئی، گو وہ اکبر کی سرپرستی میں نہیں لکھی گئی، اس کی انشا پردازی آج کل کے ذوق پر تو گراں گزرتی ہے، لیکن اس میں جو صنائع و بدائع کا جوہر اور انشا پردازانہ فن دکھایا گیا ہے، اس سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا،

جہاں تک نثر نگاری کا تعلق ہے، اس دور میں مسجع، مقفی اور مکلف عبارت آرائی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی، اکبر نامہ اور سہ نثر ظہوری اس کی اعلیٰ مثالیں ہیں، تیموری خاندان کی تاریخ لکھنے میں شرف الدین یزدی نے ظفر نامہ میں نثر نگاری کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کو ابو الفضل نے انتہائے کمال تک پہنچا دیا، اس کے زور قلم کی تو تقلید صحیح معنوں میں نہیں ہو سکی، لیکن اس کی اصل کی نقل اتارنے کی ضرور کوشش کی گئی، آگے چل کر شاہجہاں نامہ اور عالمگیر نامہ اسی کے طرز انشا کی آواز بازگشت ہیں، اس قسم کی انشا پردازی کا تاریخ ادب فارسی میں ایک مقام ضرور ہے، لیکن مجموعی حیثیت سے ہندوستان میں اس سے زبان کو نقصان پہنچا، یہ بادشاہوں، امیروں اور ان کے درباروں ہی تک محدود ہو کر رہ گئی، ہندوستان کے عوام تک نہیں پہنچ سکی، اسی لیے رفتہ رفتہ یہاں سے جاتی رہی، نظام الدین احمد بخشی نے طبقات اکبری میں جو صاف، سلیس اور آسان زبان اختیار کی تھی، وہی چل نکلتی تو ہندوستان سے یہ جانے نہ پاتی، ملا عبد القادر بدایونی نے اکبر نامہ اور طبقات اکبری دونوں کے درمیان میں ایک طرز بیان اختیار کیا تھا، جو نہ بہت مشکل اور نہ بہت آسان تھی، یہ علمی بھی تھی اور بامحاورہ

بھی، اس میں بعض محاورے اور روزمرے بہت ہی جاندار اور آج کل کے لحاظ سے دلچسپ ملتے ہیں،

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے، غزالی، عرفی، نظیری، فیضی، شکیبی اور ثنائی نے اس کا معیار بلند رکھا، اس دور میں مثنویاں، رباعیاں، قصیدے اور غزلیں بکثرت لکھی گئیں، مگر غزلوں اور قصیدوں کے مقابلہ میں مثنویاں اور رباعیاں دبی نظر آتی ہیں، پھر بھی مثنویاں کافی لکھی گئیں، جن میں کچھ یہ ہیں، نقش بدیع، مشہد انوار، آئینۂ خیال، قدرت آثار، رشحات الحیات، اسرار المکتوم، واردات، مواہب، مرأۃ الکائنات (از غزالی مشہدی) گل افشاں از کاہی، کوہ اجمیر از قاسم ارسلان، محمود و ایاز انیسی شاملو، صورت معنی از بیردی، دہ نامہ، حسن ریوسف از تدروئی ابھری، سکندر نامہ از ثنائی، مثنوی خنجر بیگ، مثنوی دلفریب از سید شاہی، سوز و گداز از نوعی خبوشانی، خمسہ کے طرز پر عرفی نے مخزن اسرار کے جواب میں ایک مثنوی قلمبند کی، موجی نے یوسف زلیخا اور لیلی مجنوں کے انداز میں دو مثنویاں لکھیں، منظری سمرقندی نے تو ایک شاہنامہ لکھنے کی کوشش کی، فیضی نے بھی خمسہ کے طرز پر مرکز ادوار، سلیمان بلقیس، ہفت کشور، اکبر نامہ اور نل دمن لکھنے کی کوشش کی نل دمن کو تو مکمل کر سکا، لیکن او کوئی مثنوی مکمل نہ ہو سکی، لیکن اس کی نل دمن کو جو شہرت دوام حاصل ہوئی، وہ کسی اور شاعر کی کسی مثنوی کو نہ ہو سکی، اس دور میں عشقیہ مثنویوں کی زبان صاف اور سلیس ہے، جیسا کہ حسب ذیل اقتباسات سے معلوم ہوگا، ان سے زبان کے علاوہ مثنویوں میں اس عہد کے طرز بیان کا بھی اندازہ ہو جائے گا،

مثنوی نل دمن میں فیضی نے نل کے فراق میں دمن کی جو بیقراری دکھائی ہو، اسکی مرقع آرائی

اس طرح کی ہے:-

طوفان بلاکشائی عشق ست	سیلاب خرد دریای عشق ست
چون جوش زند بموج غوغا	نے شہر شناسد و نہ صحرا
گروشت کند بہ چشم باباغ	کہ ہائے از و بجان نہد داغ
آمد چو دمن بخانۂ خویش	پیچیدہ بجون ترانۂ خویش
جا داد پدر بقصر باغش	تا تازہ شود زگل دماغش
وان خود ہمہ علت جنون شد	آشفتگیش زحد بروں شد
از سینہ خروش ناش بر داشت	فریاد جگر خراشش بر داشت
گفت اے فلک این چہ بیکراں است	بازم چو صبح تیرہ شامست
صحرا بہ زیں چمن کہ دارم	غربت بہ زیں وطن کہ دارم
چون فاختہ بودم از زمانہ	مرغ قفس نگار خانہ
بکشادہ بہ کام عیش بالی	تا پختہ ز آرزو خیالی
در کنج قفس کم آشیاں بود	تنہائی من بلای جاں بود
بس نالہ زدم بہ بخت ناساز	تا داد مرا بدوست پرواز
ناگاہ جدا ز ہم نفس کرد	بازم بگرفت در قفس کرد
شامی بہ حجاب سایۂ خویش	بشگافت سخن بدایۂ خویش
کای مہر سرشت پاک گوہر	در پرورشم بجای مادر
بس تربیتم بہ کار بردی	آرنگ زصد بہار بردی
کردی بکنار مہر تدبیر	سیرابم زان دو چشمۂ شیر

خود را پسند بر کرانہ / مہری بنمای مادرانہ

ہستم ہماں نفی کردانی / لب تشنہ شیر مہربانی

مگذار ہر یک دست بستم / بنگر کہ غزال شیر مستم

از مہر نظر بگیر بازم / گز پرورشش تو بے نیازم

خواہی کہ دریں غم جگر تاب / باشم ز بہار عمر شاداب

بشتاب وز بار من خبر گیر / وز ابر بہار من خبر گیر

زود است باد تند خیزد / برگ دبر ہستیم بریزد

مثنوی دل فریب کا قصہ یہ ہے کہ شاہی لشکر کے ایک سپاہی موسی کو ایک لڑکی موہنی سے عشق ہو گیا، لشکر چھوڑ کر وہ اپنی محبوب کے پاس رہنے لگا، دو سال تک دونوں کی ملاقات نہ ہو سکی، ایک رات موسی کسی طرح موہنی کے گھر پہنچ گیا، دونوں گرم جوشی سے ملے، مگر دونوں پاکباز اور باعفت رہے، موسی کے بھائی سید شاہی نے اس واقعہ کو اس مثنوی میں قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں کی نظروں کے سامنے آب حیات رکھا تھا، لیکن پینے کی مجال نہ تھی، دونوں کے دل پیاس سے بے قرار تھے، لیکن لبوں پر شرم نے مہر لگا رکھی تھی، ایسا ہی عشق پاک ہوتا ہے۔

ہر چند ہوائے دل زدی جوش / مے کرد حیا ندا کہ خاموش

در پیش نظر ز لال حیواں / یکدم و مجال خوردن آں

دلہا ز کمال تشنگی گرم / لبہا شدہ مہر بستہ از شرم

یک خانہ خلوت دو مشتاق / دلہا شدہ جفت ماندہ تن طاق

مانند دو خستہ دل افروز / در بازی طاق وجفت تا روز

این ست بہ نزد ما محبت / کز دل ببرد خیال شہوت

چوں دل ز ہوائے نفس میرد / کے عشق دراں قرار گیرد

نبود بہ جہاں بہ سرو پائے / جز در دل پاک عشق را جائے

عشق است انیس جان پاکاں / عشق است رفیق دردناکاں

القصہ بصد لطافت و ناز / بکشادہ ہزار دفتر راز

دیدند قریب چو سحر را / کردند وداع یک دگر را

موسی اپنے عشق میں ناکام رہتا ہے، موہنی کے والدین اس سے شادی کرنے کے لیے کسی حال میں تیار نہیں ہوتے، وہ جان دے دیتا ہے، موہنی کسی طرح اس کی قبر پر آتی ہے، اور موسی کا نام لے کر اس کی قبر پر گر جاتی ہے، اور اپنے کو اپنے عاشق صادق کے حوالے کر دیتی ہے،

باخوبی او چو عشق شد جمع / پروانہ صفت بسوخت آں شمع

کرد از سر شوق وجذبہ فریاد / موسی بزباں گرفت و جاں داد

دریک نفس آں دو سرور عشق / گشتند شہید خنجر عشق

تا آنکہ میان باغ رضواں / باشند ہم ز خلق پنہاں

آں ہر دو مصاحبان جانی / رفتند از من جہان فانی

از درد و غم و فراق رستند / پنہاں ز ہمہ بہم نشستند

اے سیدی ایں چہ نالہ داری / دل را چرا بہ خشم حوالہ داری

ایں واقعہ را بکن فراموش / در صبر بکوش و باش خاموش

نوعی جبوشانی کی مثنوی سوز و گداز کا قصہ یہ ہے کہ لاہور کے دو ہندو عاشق و معشوق ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا رہے، اور جب ان کی شادی ہونے لگی تو عین برات کے روز عاشق ایک مکان کے گر جانے سے ہلاک ہو گیا، معشوقہ کو انتہائی غم ہوا، اور وہ ستی ہونے کے لیے تیار ہو گئی، اکبر نے اس کو اپنے یہاں بلا کر ہر قسم کی ترغیب دی، لیکن وہ اپنے عاشق کے چتا پر جل مرنے سے باز نہ رہی، جس طرح وہ ستی ہوئی اس کا آخری نقشہ نوعی نے اس طرح کھینچا ہے:-

کشندہ آتش ز شوقش در بغل تنگ   چو مخموری کہ در ساغر زند چنگ

ملاحت پیکرش در ہم نوردید   چو مستی در کباب شور پیچید

تن صافیش چوں شد شعلہ آلود   تن او شعلہ گشت و شعلہ شد دود

رخش از تاب آتش تازہ گلشن   ہمہ و ہر شاخ سنبل نخل ایمن

ہزار غل سوز آتش در رگ و پوست   ولے مغز دلش آغشتہ دوست

وجودش چو خم مے جوش در جوش   دہانش چوں لب پیمانہ خاموش

در آتش چوں سمندر غوطہ ور شد   ہمہ ذرات او آتش ثمر شد

ز استیلائے آتش سر نہ پیچید   ازیں پہلو بہ آں پہلو نگہ دید

سراسر سوخت ذرات وجودش   کہ از دل بر زباں نگذشت دودش

ہماں در نعت عشق و ذکر آں گل   زبانش طوطی و دل بود بلبل

ہر گاہ سوختن از ہر کنارہ   رواں شد تیر باران نظارہ

دو بار افراشت از آغوش ہوش   سر خود چوں حباب از دود آتش

چو خورشید قیامت آتشیں روی   ہزاراں شعلہ ژولیدہ در موی

ز ہر سو کرد خنداں لب نگاہی   نگاہی گرم تر از برق آہی

دو بار از قعر آتش سر بر آورد   حیا بخشش غوطہ ای ہم بر سر آورد

ز گرمی گشت رگہا بر تنش خشک   شد او خاکستر و خاکسترش خشک

کف خاکستر آں پیکر نور   مصفا تر نمود از مغز کافور

مجرد شد چو روح از تن پرستی   بہ آتش پاک شد از جرم ہستی

ز جرم آب و گل شد صاف بے عشق   بجا بود از حریر تو رشش آتش

ز ہر آلایشی خود را بری کرد   لباس عمرش آتش گازری کرد

مبرا زیں حیات رایگاں شد   پذیرای حیات جاوداں شد

بہ یک جاں دادن از صد درد دل رست   بری شد از خود و با دوست پیوست

اسی زمانہ میں خنجر بیگ نے تین سو اشعار کی مثنوی لکھی جس میں اکبر کو ایسی نصیحتیں کی ہیں جو سیاست نامہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اس کی زبان بڑی صاف، سلیس اور رواں ہے، اس کے کچھ نمونے یہ ہیں:-

پادشاہ ولی شعاری تو   در جہاں از برائے کاری تو

عدل و انصاف و جود و علم و سخا   لطف و احسان و خلق و مہر و وفا

ہمہ داری ز لطف یزدانی   چہ کنم قدر خود نمی دانی

تو نخبندہ بہ فیل دست زنان   مردم انگشت فکر در دنداں

تو بخرطوم فیل پنجہ کشا   آستیں ما فشاندہ از دنیا

تو مقابل بہ شیر درندہ   مردم از وہم ہر طرف کندہ

تو بہ جنگ پلنگ بازی کن   رو کناں ما یہ پنجہ و ناخن

اس دور میں رباعیاں بھی بہت کہی گئیں، ملا بدایونی نے تو لکھا ہے کہ فکری یا میر تو اپنے کو اپنے زمانہ کا خیام کہتا تھا، لیکن یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے، خیام کا رنگ دانگی اور نہ اس دور کے کسی اور شاعر کی رباعیوں میں پایا جاتا ہے، لیکن اس دور کی تمام رباعیوں پر نظر ڈالی جائے تو بعض رباعیاں بہت ہی پر کیف اور سبق آموز نظر آئینگی، مثلاً

فیضی:

مستان الٰہی کہ دم خوش زدہ اند — بے جام و سبو شراب بے غش زدہ اند

آرایش علم و فضل از ایشان مطلب — کیں طائفہ در کتاب آتش زدہ اند

فیضی بکشا گوش دل و دیدۂ ہوش — از کار جہان دور کن این دیدہ و گوش

نیرنگ زمانہ بنگر و لب بر بند — افسانۂ دہر بشنو و چشم بپوش

عرفی:

اے از بد و نیک آمدہ در جوش و خروش — گہ شکر طرازی و گہے شکوہ فروش

خمار مشتاق شدی بیہدہ کوش — کاوہ رہ یاد باش یا مرد و دوش

عبدالرحیم خانخاناں:

تا عشق خیال یار در خانہ ماست — طاؤس اہل کینہ پروانہ ماست

ان روز کہ آشنا شدم با غم او — ہر کہ غیر اوست بیگانہ ماست

اے دوست چہ کسی بدر دہم خانہ بزی — در معرکہ از معرکۂ بیگانہ بزی

در مذہب ما کہ عشق مردان خداست — مردانہ در آ و شیر مردانہ بزی

نامی:

عشقت نہ در متاع ہر خریدار بود — ارزد او دو جہاں بہائے یک تار بود

گل نیست کہ در کوچہ و بازار بود — یا مشک کہ در دکان عطار بود

ز آلایش روزگار اندر گذر — عیب دیگراں مکن تو ہم زان گذر

بر ہنر از آلودگی دامن خویش — نامی دو سہ ونے کہ دریں مرحلہ

محب علی سندی:

در دہر کہ عیب و ہنرش می دانم — وز ہر چہ در اوست کمترش می دانم

بالای نفتانم و صفیری نکشم — بر خود ز نفس تنگ ترش می دانم

فکری:

دادہ و فکری سری کہ سامانش نیست — درد یست بدل نہاں کہ درمانش نیست

عمریست کہ پا کردہ ز سر جادۂ عشق — سر گردہ رہے کہ ہیچ پایانش نیست

زوا کہ نماند از جہاں جز خبری — ظاہر شود از بہار محشر اثری

چون سبزہ سر از خاک بر آرند بتاں — ما نیز بہ عاشقی بر آریم سری

اس دور میں ایسی رباعیاں بھی ملیں گی جن میں رواداری اور وسیع المشربی کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دور اسی کا دور بھی رہا،

غزالی:

در کعبہ اگر دل سوئے غیر است ترا — طاعت ہمہ فسق و کعبہ دیر است ترا

ور دل بحق است و ساکن میکدہ — مے نوش کہ عاقبت بخیر است ترا

عرفی:

فقیہان دفترے را می پرستند — حرم جویان درے را می پرستند

برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاران دیگرے را می پرستند

توسنی:

بے عشق تو در جگر لب نار است — بے درد تو در سرم سراسر خار است

بت خانہ و کعبہ ہر دو نزدم کفر است — ما را بہ یگانگی ایزد کار است

طفلی

زہے نگاہ ہے تو غارت گر مسلمانی — امید وعدۂ تو مایۂ پشیمانی

ز سجدۂ صنم اے برہمن مشو نومید — کہ ہست آئینہ تخت داغ پیشانی

غزل گوئی کا معیار نظیری اور فیضی نے بہت اونچا رکھا، ایک ایرانی دانشور نے توجہ دلائی ہے کہ نظیری نے سعدی اور حافظ کی تقلید میں بہت سی غزلیں کہی ہیں، مثلاً

سعدی:

شب فراق کہ داند کہ تا سحر چند ست — مگر کسے کہ بزندانِ عشق در بند ست

نظیری

بحرف اہل غرض قرب و بعد پابند ست — دل شکستۂ ما را ہزار پیوند ست

سعدی:

ایہا الناس جہاں جای تن آسانی نیست — مرد دانا بہ جہاں داشتن ارزانی نیست

نظیری:

دل کہ جمع ست غم از بے سروسامانی نیست — فکر جمعیت اگر نیست پریشانی نیست

سعدی:

درخت غنچہ برآورد و بلبلاں مستند — جہاں جواں شد و یاراں بہ عیش بنشستند

نظیری:

بہوش سیر چمن کن کہ شاہداں مستند — قرابہ بر سر بہار بشکستند

سعدی:

گفتمش سیر ببینم مگر از دل برود — آں چناں جای گرفتہ است کہ مشکل برود

نظیری:

کس چو من نیست کہ پیش نظر از دل بُرد — غائب از دیدہ مگر دور ز مقابل برود

سعدی:

اے زلفِ تو ہر خمی کمندی — چشمت بکرشمہ چشم بندی

نظیری:

اے عقدہ کشای ہر کمندی — بردار ز پای شوق بندی

حافظ کی غزلوں کے قافیوں اور بحروں میں تو نظیری کی بہت سی غزلیں ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

حافظ:-

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ ما را — بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

نظیری:

برای خشت خم خواہیم گو آں پیر ترسا را — کزیں بازیچۂ طفلاں خرد مشت گل ما را

حافظ

صوفی بیا کہ آئینہ صافی ست جام را — تا بنگری صفای مے لعل فام را

نظیری:

در خور اگر نیم مے لعل فام را — اے کاش تر کنند بہ بوی مشام را

حافظ :-

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بے ادبی ست
زباں خموش ولیکن دہاں پر از عربیت

نظیری :-

جزائے حسن عمل در شریعت عربیت
بہ عرف عفو نکردن گناہ بے ادبیت

حافظ :-

سبب مپرس کہ چرخ از شعلہ پرور شد
کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببست

نظیری :

قبول بے ہنراں نہ التفات معشوق ست
عنایت ازلی را نشان بے سببت

حافظ :-

جمال دختر رز نور چشم ماست مگر
کہ در نقاب زجاجی و پردۂ غیبت

نظیری :-

ز من مشاطۂ بستاں صداق می طلبد
ہنوز دختر رز در سراچۂ غیبت

حافظ

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمۂ حسن
بہ سوخت دیدہ ز حسرت کہ ایں چہ بوالعجبیت

نظیری :-

خلاف رسم دریں عہد خرق عادت داں
کہ کارہائے چنیں از شما بوالعجبیت

حافظ :-

دریں چمن گل بے خار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی با شرار بولہبیت

نظیری :

شب سیاہ صباح سفید می آرد
چراغ مطلب از دودان بولہبیت

حافظ :

کنوں کہ بر کف گل جام بادۂ صاف ست
بہ صد ہزار زبان بلبلش در اوصاف ست

نظیری :

بہ شرح حالت من نامہ ہا در اطراف ست
ہزار قافلہ ام زیر بار اوصاف ست

حافظ :-

زاہد ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

نظیری :

واند اخلاص مرا و ز حال من آگاہ نیست
در و لش رہ بردم بر آستانش راہ نیست

حافظ :-

مطرب عشق عجب ساز و نوای دارد
نقش ہر نغمہ کہ زد راہ بجای دارد

نظیری :-

ہر سر شاخ کہ در باغ ہوای دارد
ہر گلی رنگے و ہر مرغ نوای دارد

حافظ :-

در ازل پرتو حسنت و تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہمہ عالم زد

نظیری :-

شادی عشق تو ہنگامہ غم برہم زد
شور عشقت نمکی بر جگر آدم زد

یہ صحیح ہے کہ یہ غزلیں سعدی اور حافظ کی تقلید میں کہی گئی ہیں، لیکن یہ نظیری کا وصف ہے کہ اس نے باکمال اساتذہ کے رنگ میں اپنی غزلیں کہہ کر اپنا رنگ دکھلایا ہے، چنانچہ

مذکورۂ بالا دانشوروں کو بھی یہ کہنا پڑا ہے کہ

"در غزل سرای علی الخصوص از ہر بابت نسبت بغزلیات آسمانی خواجہ توجہی شگرف می نمود۔"

باکمال اساتذہ کی تقلید تکمیل فن کی خاطر کیجاتی تھی، ہر شاعر کی یہ جرأت اور ہمت نہیں ہو سکتی ہے کہ مسلم الثبوت اساتذہ کے رنگ میں وہ غزلیں کہے، باکمال شاعر ہی باکمال اساتذہ کی تقلید کر سکتا ہے، چنانچہ غزل ہو یا قصیدہ باکمال شعراء کے یہاں انکے پیشرو اساتذہ کے رنگ میں اس قسم کی تقلید کے بہت سے نمونے ملیں گے۔ نظیری اور فیضی دونوں کے یہاں گذشتہ اساتذہ کے رنگ کے علاوہ ان کے یہاں عشقیہ، فلسفیانہ اور رندانہ قسم کے مضامین بھی ملیں گے، پھر ان میں جوش بیان بھی ہے، مضامین کی طرفگی بھی، استعارات کی جدت بھی، تشبیہات کی لطافت بھی، شوخی بھی، ندرت بھی، نئی نئی ترکیبیں بھی، مضمون آفرینی بھی، روزمرے اور محاورے بھی، جن سے اس دور کے تغزل میں بڑی تابناکی پیدا ہوئی، یہ دونوں تو اساتذۂ فن تھے، اس لیے ان میں یہ ساری خوبیاں آسانی سے مل جائیں گی، لیکن اس دور کے اور شعراء کے کلام میں بھی بہت کچھ خوبیاں ملیں گی، مجموعی طور سے اس دور کی غزلیں صاف، سلیس اور دلنشین انداز میں لکھی جاتی رہیں، مثلاً

مقیمی سبزواری:

عاشقانیم و سر کوئے بلا ماوائے ماست   عالمے پر فتنہ و آشوب از غوغائے ماست
ہر کجا اندوہ و محنت پیش آنجا ساکنیم   ہر کجا آشوب و غم بسیار، آنجا جائے ماست
با چنیں بدحالی کامروز داریم از غمش   مرگ می خواہد آنکو در غم فردائے ماست
در بیابان غمش سرگشتہ ایم و سایہ است   آں سیہ بختی کہ در روز چنیں ہمپائے ماست

اتیم از باز گفتنی نیست پروائے کسم   آری آری کی باین خوبی ترا پروائے ماست

نویدی ترتبی:

خدنگت راکہ عمرے جاں درِ دل داشتم دارم   نہالِ آرزوئے کز تو حاصل داشتم دارم
ہماں قیدی کہ در اول من مسکیں سر گرداب   ازاں لیلی وشِ مسکیں شمائل داشتم دارم
اگر از گریہ شد تاریک چشم من خیالت را   بداں صورت کہ در آئینۂ دل داشتم دارم
بگیرائے آشنا دانستم کز آبدیدہ عمرے شد   بوادی جنوں پائے کہ در گل داشتم دارم
نویدی مرغ دل راکز خدنگ غمزہ اش عمرے   بخاک و خوں چو مرغ نیم بسمل داشتم دارم

جوشش بیان کے نمونے یہ ہیں:

الفتی یزدی

مشت خاشاکیم و داریم آتشی ہمراہ خویش   دور نبود گر بسوزیم از شرارہ آہ خویش

بقائی

بجائے اشک از چشم دل افگار می بارد   ہمہ خونِ جگر زین ابر انس بار می بارد

حزنی

خرقہ بر آتش نہم تا بوئے ایماں بشنوی   از کہن دلقی کہ جز یکتار بے زنار نیست

شیری

درآں دلی کہ تو ئی یاد دیگری کردی   درونِ کعبہ پرستیدن ست عزی را
ہجوم از جہاں گرد و پیش یار گرفت   کہ راہ نیست دراں تنگنا تمنی را
کارواں گو تیز تر می راں کہ از درد فراق   مصر فریاد ز لیخا بہ تماشا بہ پیش ازیں

تشبیہات و استعارات کی اچھی مثالیں ان اشعار میں ملتی ہیں:

سلطان :-

دلبری دارم کہ رویش چو گل و سنبست　　سنبل پر پیچ او افتادہ بر برگ گلست

عزیز اللہ -

سبزۂ خط رستہ ز لعلش بسی با آب و تاب　　زانکہ دائم می خورد از چشمۂ خورشید آب

محوی -

اے رخ زیبای تو رشک سمن　　قامت رعنائی تو سرو چمن

پستہ خندان تو تنگ شکر　　درشتہ دندان تو در عدن

کاکل مشکین تو دام بلا　　نرگس فتان تو عین فتن

آہوئے چشمان تو مردم شکار　　غمزۂ خوں ریز تو ناوک فگن

کار دو زلفت ہمہ جادوگری　　شیوۂ چشمت ہمہ خوں ریختن

می کشد از مشک خط جاں فزائی　　سبزۂ نو خیز تو بر یاسمن

جانب محوی نگر از روی لطف　　اے بت سنگین دل سیمیں بدن

فیضی نے بھی اس زمین میں اپنے ابتدائی دور میں کہا تھا

اے قد نیکوئی تو سرو رواں　　وے خم ابروئے تو شکل کماں

حلقۂ گیسوئے تو دام جنوں　　طرۂ ہندوئے تو کام جہاں

ہم لب جادوئے تو آب حیات　　ہم خط دلجوئی تو خضر زماں

آمدہ آہوئے تو عین بلا　　کشتہ آہوئے تو شیر ژیاں

بستہ گیسوئے تو فیضی زار　　خستہ ہندوئے تو خلق جہاں

جدت تخیل :-

سلطان :-

باریک چو موئیست میانے کہ تو داری　　گویا سر آں موست دہانے کہ تو داری

نامعلوم :-

گفتم کہ گمانیست دہانے کہ تو داری　　گفتا کہ یقین است گمانے کہ تو داری

قادری :-

سرچشمۂ خضر است دہانے کہ تو داری　　ماہی است دراں چشمہ زبانے کہ تو داری

غربتی :-

دہان یار من دوش رمزے گفت پنہانی　　کہ من سرچشمۂ آب حیاتم ہیچ می دانی

صرفی :-

بر رخ افگند چاشت گاہ آں مہ نقاب را　　پیش از زوال شام رسید آفتاب را

نامعلوم :-

آرے ز زلف خم بہ خم یارم آرزوست　　یعنی کہ دردمندم و اظہار آرزوست

عناری :-

اظہار در پیش سگ یارم آرزوست　　یعنی کہ دردمندم و اظہار آرزوست

توسنی :-

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر　　مست حسن دوست را با کفر و ایماں کار نیست

انیسی :-

آتش کدہ است دل ز خیال تو در برو　　داغ تو ہندوئے کہ نگہبان آتش است

عشق کی خستگی اور برشتگی کی حسب ذیل مثالوں سے لطف لیا جا سکتا ہے،

دوائی:-

ہیچ دیوانی نشد پیدا کہ تعمیرے نداشت   در دلے درمان عشق است آنکہ تدبیرے نداشت
در شب زلف سیاہش خواب مرگم در ربود   بوالعجب خوابے پریشانی کہ تعبیرے نداشت
وہ چہ عاشق کش نگاہی بود و آں منزل کجاست   کاندر و پیدا نشد یک سینہ کہ تیرے نداشت

روز ہجراں کہ دم سوختن است   کار جاں شعلہ برافروختن است
در شب ہجر کہ جاں باید باخت   کار دل درد و غم اندوختن است
اے جدائی چہ بلائے کہ مدام   دوزخ از بیم تو در سوختن است
زاں دو جادو طلب عشوہ و ناز   مست را عربدہ آموختن است
اے دوائی طلب وصل بتاں   شعلہ و پنبہ بہم دوختن است

شکیبی اصفہانی:-

ہنوز نالۂ شب ہائے من اثر دارد   کماں شکستہ و من تیر کارگر دارد
دلم بہ ہجر در آویخت رحمتی اے بخت   کہ دست عربدہ با کوہ در کمر دارد
تو گل بدامن یاراں نشاں کہ خستۂ ہجر   بنوک ہر مژہ صد پارۂ جگر دارد

صبوری ہمدانی:-

سپردم جان من بے صبر و دل از داغ ہجرانش   چہ در دست ایں کہ غیر از جان سپردن نیست درمانش
چو سوز آتشکار پیش او ظاہر نمی گردد   جہاں آگاہ سازم از جبر احتیاطے پنہانش
چو در شبگوں لباس آں مہ بسر شب بروں آید   فروغ صبح ظاہر گردد از چاک گریبانش

رندانہ مضامین کا یہ رنگ رہا:

قندی:-

صومعۂ طاعتم گوشۂ میخانہ شد   عیبۂ درویشم نعرۂ مستانہ شد
خرقۂ زہد و صلاح در گرو بادہ رفت   غلغل تسبیح و ذکر قلقل پیمانہ شد
قندی بے خانماں سوئے حرم می شتافت   زد صنمے راہ او جانب بتخانہ شد

یوسف:-

خوش وقت آنکہ جائے میخانہ ساختہ   دریائے خم بہ ساغر و پیمانہ ساختہ
آں کس کہ دادہ شیوۂ مستی بچشم یار   ستم از آں دو نرگس مستانہ ساختہ

نشائی:-

محتسب دے خم شکست و آب آتش ناک ریخت   خاک من برباد داد و خون من بر خاک ریخت

وداعی ہروی:-

نہ از شراب بہ بزم تو ہر زماں روم از خود   پیالہ لعل تو بوسہ زد رشک آں روم از خود

طالعی یزدی:-

ساقیا! چند تواں خورد غم عالم را   بادہ پیش آر کہ بیروں کنم از دل غم را

اس دور کے باکمال شعرا اپنی قصیدہ نگاری میں اس صنف کے گذشتہ اساتذہ کی تقلید کرکے اپنے شاعرانہ فن کی مہارت کا اظہار کرتے رہے، مثلاً

انوری:-

اے قاعدۂ تازہ ز دست تو کرم را   اے مرتبۂ نو ز بنان تو قلم را

عرفی:-

اقبال کرم می گزد ارباب ہمم را   ہمت نخورد نشتر آری و نعم را

نظیری:-

چوں نالہ لنم بر سر افلاک قدم را   از ضعف بروں آورم احسان و کرم را

شکیبی

از صفحۂ امید ستردیم رقم را — حرفے نہ نوشتیم و شکستیم قلم را

خاقانی

صبح خیزاں بیں قیامت در جہاں انگیختہ — نعرہا شاں نفخ صور از ہر دہاں انگیختہ

عرفی

اے متاع درد در بازار جاں انگیختہ — گوہر ہر سود در جیب زباں انداختہ

خاقانی

آں مصر مملکت کہ شنیدی خراب شد — واں نیل مکرمت کہ بدیدی سراب شد

نظیری

اں بخت فتنہ جو کہ تو دیدی بخواب شد — واں دل کہ بود سخت تر از خارہ آب شد

خاقانی

سلسلہ ابر گشت زلف زرہ شان او — قرصۂ خورشید شد گوئی گریبان او

نظیری

ابر بخراشش چو سیل ماہمہ ویران او — ہرچہ زما شد خراب رفت بجولان او

ہندوستان کے یہ شعراء اپنی صلاحیت، لیاقت اور ذہانت کا سارا زور صرف کر کے اپنے کو انوری، خاقانی، امیر اسمٰعیل، اصفہانی کی صف میں لا کر کھڑا کرنا چاہتے، عرفی تو اپنی قصیدہ نگاری کی داد کا طالب تو ابوالفرج رونی اور انوری کی مدح سے ہوا ہے، اور بقول مولانا شبلی کہ زور کلام جس کی ابتداء نظامی نے کی تھی، عرفی نے اس کو کمال تک پہنچایا، وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ قصیدہ گویوں کا بادشاہ مانا جاتا ہے، لیکن پختگی کے سوا مضمون آفرینی، اور زور کلام

میں عرفی سے اُس کو کچھ نسبت نہیں، (شعر العجم جلد پنجم ص ۱۲) ہندوستان کے تذکرہ نگار تو اوّ قصیدہ نگاروں میں شکیبی کے قصائد کی صفائی کو رشک قطرات سحاب اور اس کی پاکیزگی کو غیرت گوہر سیراب بتاتے ہیں، ثنائی کو طلاقت بیان اور عذوبت لسان میں عراق اور خراسان میں بے نظیر کہا ہے، اور ظہوری کو بہارستان الفاظ و معانی کے ریاض اور سخنوری و نکتہ دانی کے گلزار کو سرسبز اور سیراب کرنے والا کہا ہے، ایران والے اس قسم کے خراج عقیدت سے اتفاق نہ کریں، لیکن یہ شاعری ہندوستان کی قیمتی ادبی وراثت میں داخل ہو تو ہندوستانیوں کو اس پر فخر ہے،

ان شعراء پر وہی اعتراضات کئے جا سکتے ہیں، جو اور قصیدہ نگاروں پر ہوتے آئے ہیں یعنی یہ کہ اس میں جھوٹ، مبالغہ، صریح خوشامد، ادعائے بے معنی، تعلی بے جا، شکوہ بے محل اور اسی قسم کی اور باتیں ہوتی ہیں، جو صدق و راستی کی منافی ہیں، یہ بڑی حد تک صحیح ہے، اکبری دور کے قصیدہ نگار بھی ان باتوں سے بری نہ تھے، نعتیہ قصیدوں سے مذہبی جذبات میں تو کچھ گرمی پیدا ہو جاتی ہے، لیکن اور تمام قصیدوں میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی ہے جو قومی اخلاق و سیرت کے بنانے میں معاون ہوئی ہو، مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ اکبر اور خانخاناں...... کے سیکڑوں معرکے تاریخی یادگار ہیں، جن کے بیان سے مردہ دلوں میں جنبش پیدا ہو سکتی ہے، عرفی نظیری اور فیضی وغیرہ نے ان لوگوں کی مدح میں سیکڑوں پرزور قصائد لکھے لیکن ان معرکوں کا کہیں نام تک نہ آیا، (شعر العجم جلد پنجم ص ۲۴) اس لحاظ سے بہت کم ایسے قصائد ہیں جن سے تاریخی افادیت حاصل کی جا سکتی ہے اگر یہی زور بیان اخلاق و کردار کے سنوارنے کی خاطر صرف کیا جاتا تو یہ صنف کیسی مفید ثابت ہوتی،

مگر اس قسم کے اعتراضات کے جوابات قصیدہ نگاری کی مدافعت میں دیئے جا چکے ہیں مثلاً

یہ کہ مبالغہ آمیز مداحی کسی خوشامد یا تملق کی دلیل نہ تھی۔ اس زمانہ میں عام طور سے شعرا اپنے جوش طبیعت کی جولانیاں قصائد میں دکھانے کے سلسلہ میں آسمان و زمین کے قلابے ملا کر رکھتے تھے۔ ان سے مراد ممدوح کی چاپلوسی نہیں ہوتی تھی، مادح اور ممدوح دونوں سمجھتے تھے کہ مدح میں جو خیالات ادا کیے گئے ہیں، ان کا تعلق حقیقت سے نہیں فن شاعری سے ہے، شاعر محض اپنا زور طبع اور کمال فن دکھانا چاہتا ہے، پھر قصائد میں جو جولانی طبع، زور بیان خیال آرائی، مضمون آفرینی، قوت ایجاد، ترکیبوں کی دلآویزی، بندش کی چستی اور استعارات و تشبیہات کی دلفریبی وغیرہ دکھائی گئی، ان سے فن شاعری کو گوناگوں فوائد پہنچے یہی روشن پہلو اکبری دور کے قصائد میں بھی دیکھے جاتے ہیں، وہ شہسوار سخن بنکر سنگلاخ زمینوں میں بھی دوڑتے نظر آتے ہیں، زمین کی سنگلاخی یا قافیوں کی دشواری ان کے لیے سدِ راہ نہیں ہوتی، انکی طبیعت کی تیزی، مضامین کی تخم ریزی پتھریلی زمین کو بھی گلزار بناتی رہی۔

اس زمانہ میں منظوم معما گوئی کا بھی رواج رہا، حتی کہ فیضی نے بھی اس میں طبع آزمائی کی (بدایونی جلد سوم ص ۲۹۹) گو بعد میں اس کو چھوڑ دیا، قاسم کاہی بھی کبھی کبھی معما کہا کرتا تھا، اسم اللہ پر اسکا معما ہے:۔

نیست از ہستیش کسے آگر
ابد اکان لانہا نہایتہ لہ

اسی طرح اسم نبی پر اس نے معما کہا:

آزدہ شرع راشتافتہ ام
از محمد نبی شگافتہ ام

جعفر ہروی نے میرزا عزیز کوکہ کے نام پر پوری ایک غزل معما لکھی تھی (بدایونی جلد سوم ص ۲۱۵) میر حیدر رفیعی کاشی کے نام کا تو جزو معمائی بھی تھا، فن معما اور تاریخ گوئی میں اسکا کوئی جواب نہیں تھا، ان دونوں چیزوں کے علاوہ وہ کسی اور فن کو اہمیت نہیں دیتا تھا، ایک روز فیضی نے اس سے کہا کہ ہندوستان میں معما متروک ہو گیا ہے، اور اب یہ عیب سمجھا جاتا ہے،

اس نے جواب دیا کہ میں نے ولایت میں برسوں اس فن کے لیے تکلیف اٹھائی ہے، اب جبکہ اس فن میں بوڑھا ہو گیا ہوں کس طرح چھوڑ سکتا ہوں (بدایونی جلد سوم ص ۲۲۳) رشیری بھی علم عروض کے ساتھ معما گوئی میں بے نظیر تھا (ایضاً ص ۲۴۰)، فہمی سمرقندی کی معما گوئی بھی مشہور رہی (ایضاً ص ۲۹۴)، میر محسن رضوی مشہدی نے اسم رُخ پر یہ معما کہا ہے (ایضاً ص ۳۲۴)

اے زلف کجت رہزن جانہا زعتاب
وی درد تو مرہم نہد لہای خراب

عکس زلب تو گشتہ در آب عیاں
یا برگ گلے فتادہ در جام شراب

اس زمانہ کے ایک امیر حسین شاہ کے نام پر اس نے یہ معما کہا:

آں مہ کہ بدیدہ جانگاہش نیکوست
منظور نظر رخی چو جاہش نیکوست

محسن سر خود نہادہ بر پایش
چو مہر صفت عارض اہش نیکوست

محوی نے اسم قاسم کا یہ معما کہا تھا (ایضاً ص ۳۲۲)

شوخی کہ بود خاک درش منزل من
جز جور و جفا نیست از و حاصل من

از گوشۂ ایام چوں رخش را بینم
چشمش فگند تیر جفا بر دل من

تاریخ گوئی کا بھی عام رواج تھا، رفیعی معمائی نے ایک رباعی کہی تھی جس سے ۲۶ تاریخیں نکلتی تھیں، (بدایونی جلد سوم ص ۲۲۴ - ۲۲۳)، خواجہ حسین مروی نے شہزادہ سلیم کی ولادت کے موقع پر ایک طویل قصیدہ کہا جس کے پہلے مصرع سے اکبر کی تاریخ جلوس اور دوسرے سے سلیم کی تاریخ ولادت نکلتی تھی، قصیدہ کا مطلع یہ تھا:۔

للہ الحمد از پے جاہ و جلال شہریار
گوہر مجد از محیط عدل آمد بر کنار

بات بات پر قطعۂ تاریخ کہا جاتا، ولادت، شادی بیاہ، وفات، فتح، سفر، کسی کتاب کی تالیف کے موقع پر پھڑکتی ہوئی تاریخ کہہ کر ادبی دنیا میں برابر داد طلب کی جاتی رہی،

اور بعض تاریخ تو ایسی ہوتی کہ زبان زد عوام وخواص ہو جاتی، اور بعض تکلیف دہ بھی ہوئیں مثلاً فیضی ۱۰۰۴ھ میں مرا تو اس کی وفات پر کچھ شعرانے یہ تاریخیں کہیں۔

(بدایونی جلد سوم ص ۳۰۰-۳۰۱)

فیضی بے دین چو مرد سال وفاتش	گفت سگے از جہاں رفتہ بحال قبیح
سال تاریخ فیضی مردار	شد مقرر بچار مذہب نار
فیضی بخش دشمن نبوی	رفت وبا خویش داغ لعنت برد
سگی بود و دوزخی زاں شد	سال فوتش چہ سگ پرستی مرد
چو نبا چار رفت شد ناچار	سال تاریخ خالد فی النار

بزم تیموریہ جلد اول

بزم تیموریہ کے پہلے اڈیشن میں مغل سلاطین بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، عالمگیر اور تمام تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق اور انکے دربار کے امرا، شعرا اور فضلا کے مختصر تذکرے کے ساتھ انکے علمی کمالات کی تفصیل بیان کی گئی تھی جس کو ارباب ذوق وتحقیق نے بیحد پسند کیا، اور اس کے حوالے اپنے مقالات اور تصنیفات میں دیے، اب اسی کو بکثرت اضافوں کے ساتھ دو جلدوں میں کر دیا گیا ہے تاکہ تمام مغل سلاطین اور ان کے عہد کے ادب و زبان کا پورا مرقع نگاہوں کے سامنے آجائے، پہلی جلد میں مغل سلاطین میں سے پہلے کے تین شہنشاہوں یعنی بابر، ہمایوں اور اکبر کے علمی ذوق اور ان کے عہد کے امرا و شعرا، و ارباب فضل وکمال کے تذکرہ کے ساتھ ان کے علمی کمالات پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور دوسری جلد میں بقیہ مغل سلاطین اور انکے دربار کے علماء، فضلاء و شعرا کا تذکرہ ہوگا۔

انھیں اس قدر اضافے ہوئے ہیں کہ بالکل نئی کتاب ہوگئی ہے پہلے سے کہیں جامع اور مکمل۔

(زیر طبع) منیجر

تہذیب کی تشکیلِ جدید

از جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۲)

سنبھالنے کی طاقت | قیوم وہ ہے جو نہ صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے بھی قیام کا سبب بنے، لغت میں ہے

القیوم القائم الحافظ لکل شیٔ والمعطی له مابه قوامه[1]	قیوم وہ ہے جو خود قائم ہو، ہر شے کی حفاظت کرتا ہو اور جس سے شی کا قیام ہو وہ اس کو دیتا ہو۔

دوسری جگہ ہے:

وھو مع ذٰلک یقوم به کل موجود حتی لایتصور وجود شیٔ ولا دوام وجود الابه[2]	خود کے مستقل قیام کے ساتھ اس کے ذریعہ ہر موجود کا قیام ہو کر کسی شی کا وجود اور وجود کا دوام اسکے بغیر تصور نہ کیا جا سکے،

اس کے عکس سے زندگی میں استقلال اور غیر اللہ سے بے نیازی پیدا ہوتی ہے اور انسانی ہمدردی کے ساتھ دوسروں کے قیام میں مدد کرنا اور ان کو سنبھالنا ہے، قرآن حکیم میں ہے،

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے،

---

[1] راغب اصفہانی مفردات القرآن [2] زبیدی تاج العروس

لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (بقرہ : ۳۴)	قیوم ہے، نہ اس کو اونگھ ہو اور نہ نیند ہے۔

دوسری جگہ ہے

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے
نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ	قیوم ہے، اسی نے آپ پر سچائی کے ساتھ
(آل عمران : ۱)	قرآن حکیم اتارا۔

حقائق اشیاء کی معرفت اس سے چیزوں کی حقیقت اور ان کے خواص و اثرات کی دریافت ہوتی ہے، جس کے ذریعہ انسان نئے نئے انکشافات اور ترقی کے مدارج طے کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفت عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (وہ غیبوں کا جاننے والا ہے) کا عکس ہے، آدمؑ کے بارے میں ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ : ۳۱)	اور اللہ نے آدم کو "کل الاسماء" سکھائے۔

قرینہ سے الاسماء، کا الف لام عہد کا معلوم ہوتا ہے، مراد کچھ خاص اسماء ہیں جن کا کل مراد ہے[1]،

الاسماء، کی یہ تفسیر کی گئی ہے:۔

الھمہ معرفۃ ذوات الاشیاء	اللہ نے آدم کو اشیاء کی ذات، خواص اور
وخواصھا واسمائھا واصول	نام نیز علم کے اصول، صنعتوں کے قوانین
العلوم وقوانین الصناعات	اور آلات کی کیفیت الہام کی،
وکیفیۃ آلاتھا[2]	

تفسیر کبیر میں ہے

علمہ صفات الاشیاء ونعوتھا	خدا نے آدم کو اشیاء کی صفت اور ان کے
وخواصھا[3]	خواص سکھائے۔

---

[1] امین احسن، تدبر قرآن [2] قاضی عبداللہ بیضاوی

کشاف میں ہے:۔

علم آدم مسمیات الاشیاء	اللہ نے آدم کو چیزوں کے مسمیٰ سکھائے

پھر جب آدمؑ نے نام بتا دیے اور فرشتے نہ بتا سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ	کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بقرہ ۔ ۳۳)	اور زمین کے غیب جانتا ہوں

ایجاد و اختراع اس کے ذریعہ انسان ریسرچ اور تحقیق سے نئے نئے ایجادات کرتا اور موجودہ ترقیات کو آگے بڑھاتا ہے جس سے اللہ کی قدرت و عظمت ظاہر ہوتی اور اس کی مخلوقات کو فائدہ پہنچتا ہے، یہ صفتِ ابداع کا عکس ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:۔

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا	وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے
قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ	جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو حکم دیتا ہے
كُنْ فَیَكُوْنُ (بقرہ ۔ ۱۱۷)	کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے،

دوسری جگہ ہے:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی	وہ آسمانوں و زمین کا موجد ہے، اس کا
یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ (انعام ۔ ۱۰۱)	کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے،

صناعی و کاریگری اس سے انسان صنعت و کاریگری کی طرف مائل ہوتا اور مختلف قسم کی صنعتوں کے ذریعہ چیزوں کو استحکام بخشتا ہے، یہ پورا کارخانہ اللہ تعالیٰ کی صنعت صناعی کی بدولت قائم ہے، جس کا عکس انسان پر پڑتا ہے، اور حسب استعداد وہ اس کو جذب کرتا ہے،

قرآن حکیم میں ہے

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ (نمل ۔ ۷) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر شی کو مضبوط کیا

اسرار و حکم کی معرفت | اس سے انسان کو حکمتوں اور علتوں کا علم ہوتا ہے، جس کے ذریعہ حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ کرنے میں سہولت اور شخصی و جماعتی زندگی کی معرفت حاصل ہوتی اور ہر شی کو مناسب محل میں رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفت العلیم الحکیم اور علیم بذات الصدور (دلوں کی بات کو جاننے والا) کا ذکر بار بار ہے،

دوسری جگہ ہے :۔

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (بقرہ ۔ ۳۷)	اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت کی دولت مل گئی تو سمجھو کہ بڑی دولت مل گئی،

ائمۂ لغت و مفسرین نے حکمت کے یہ معنی بیان کیے ہیں :

الحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل [1]	علم اور عقل کے ذریعہ سچی اور صحیح بات کو پہنچنا حکمت ہے،

لسان العرب میں ہے :۔

الحکمۃ عبارۃ عن معرفۃ افضل الاشیاء بافضل العلوم [2]	افضل اور بہترین چیزوں کو بہترین علوم کے ذریعہ جاننا حکمت ہے،

مفسرین کی تصریحات یہ ہیں :۔

(۱) معرفۃ الاشیاء بحقائقھا	حقائق اشیا کی معرفت
(۲) الفصل بین الحق والباطل	حق و باطل کے درمیان فیصلہ کی قوت

[1] راغب اصفہانی، مفردات القرآن [2] علی بن محمد، تفسیر خازن ص ۲۰۷، و قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری ص ۱۴،

(۳) الاصابۃ فی القول والعمل [1]	قول و عمل میں درستی کو پہنچنا

(۴) وہ معارف و احکام جن سے نفوس انسانی کمال کو پہنچیں ما یکمل نفوسھم من المعارف والاحکام ان کے علاوہ اور بھی ہیں مثلاً : (۵) انوار قلوب کی معرفت اور اسرار نبوت سے واقفیت (۶) نفس اور شیطان کی دقیقہ رسی سے آگاہی (۷) شیطانی اور انسانی تقاضوں میں امتیاز کی قوت (۸) عقل کی رہنمائی اور قلب کی بصیرت (۹) برائیوں کی صحیح نشاندہی اور اس کے علاج کی صحیح تدبیر (۱۰) مخلوق کے احوال کا علم (۱۱) خاص قسم کی فراست (قیافہ شناسی) وغیرہ،

ابن مسکویہ نے حکمت کے تحت یہ چیزیں بیان کی ہیں :

ذکاوت و ذہانت، سرعت فہم، قوت فہم، ذہن کی صفائی، عقل کی رسائی، اور سیکھنے کی سہولت وغیرہ، [2]

ان چیزوں کے ذکر کے بعد کہتے ہیں :

وبھذہ الاشیاء یکون حسن الاستعداد للحکمۃ [3]	ان ہی چیزوں کے ذریعہ حکمت کی حسن استعداد پیدا ہوتی ہے،

ہمہ گیریت | (۷) ہمہ گیریت، اس سے ذہن و فکر میں وسعت پیدا ہوتی اور چیزوں کو سمجھنے اور دائرۂ اقتدار کو وسیع کرنے کی فکر ہوتی ہے، یہ صفت "محیط" کا عکس ہے، اور قرآن حکیم میں بار بار ذکر کی گئی ہے،

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ : ۳۴)	اللہ جتنا چاہے اس کے علاوہ اور کسی چیز کا اس کے علم سے لوگ احاطہ نہیں کر سکتے،

[1] ابو محمد ازرسان ابن ابی النصر، عرائس البیان فی حقائق القرآن ص ۱۹۰ [2][3] ابن مسکویہ، تہذیب الاخلاق ص ۸

یکتائیت

(۸) یکتائیت۔ اس سے زندگی میں وہ خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں، جن سے دوسروں کے مقابلہ میں یکتائی پیدا ہوتی ہے، یہ ان صفات کا عکس ہے جن سے اللہ کا بے مثل ہونا ظاہر ہوتا ہے، قرآن حکیم میں ہے،

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (شوریٰ ۲۰) — اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے،

مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ تشکیل جدید میں سیرت انسانی کا پیمانہ کیا ہے، اور اس سے کس قسم کی سیرت تعمیر ہوتی ہے؟

مغربی تہذیب میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے جس سے ہر شخص اپنے کو اجنبی و تنہا محسوس کرتا ہے

شخصی و انفرادی زندگی کی تعمیر اجتماعی زندگی میں عائلی تنظیم ہوتی ہے، جس کی ابتدا خاندانی نظام سے ہوتا ہے، مغربی تہذیب میں یہ نظام درہم برہم ہو چکا ہے، جس سے باہمی خلوص و محبت اور ہمدردی کے جذبات سرد پڑ گئے ہیں، اور ہر شخص اپنے کو تنہا اور اجنبی محسوس کرنے لگا ہے۔[۱]

تشکیل جدید میں خاندانی نسبت سے باہمی خلوص و محبت کی تاکید ہے

تشکیل جدید میں خاندانی نظام اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے، اور اس کے قیام کے لیے باہمی خلوص و محبت اور ہمدردی کی خاص تاکید ہے، قرآن حکیم کی متعدد آیتوں میں مختلف انداز سے اس کا ذکر کیا گیا ہے،

وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (نساء ۱) — اور تم اللہ سے ڈرو جسکے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو، اور قرابت سے بھی ڈرو،

الارحام کی تفسیر اور اس کا محل استعمال

"الارحام" رحم کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی عورت کے رحم کے اور مجازی معنی رشتہ داری و قرابت کے ہیں،

الرحم رحم المرءۃ ومنہ استعیر — رحم کے معنی عورت کے رحم کے ہیں، خاندان

الرحم للقرابۃ لکونہم خارجین من رحم واحدۃ[۱] — کے لوگ چونکہ ایک رحم سے نکلتے ہیں اسی بنا پر قرابت کے معنی میں اسکو مستعار لیا گیا ہے

من المجاز الرحم القرابۃ وبینہما رحم ای قرابۃ قریبۃ[۲] — رحم کے مجازی معنی قرابت کے ہیں، جب یہ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان "رحم" ہے تو اس سے مراد قرابت قریبہ ہوتی ہے

"رحم" میں محرم و غیر محرم دونوں قسم کے قریبی رشتہ دار داخل ہیں،

الرحم اسم بکافۃ الاقارب من غیر فرق بین المحرم وغیرہ[۳] — "رحم" تمام قرابتداروں کا نام ہے، اس میں محرم و غیر محرم کی تفریق نہیں ہے

اس آیت میں لفظ "اللہ" پر الارحام کے عطف سے صلہ رحمی کی تاکید اور قطع رحمی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، ابوبکر جصاص کہتے ہیں:

فیہ تعظیم لحق الرحم وتاکید للمنع عن قطعہا[۴] — اس میں رحم کے حق کی تاکید اور اسکے قطع کی ممانعت ہے،

ابن حیان کہتے ہیں:-

وفی عطف الارحام علی اسم اللہ دلالۃ علی عظم ذنب قطع الرحم[۵] — اللہ کے نام پر "الارحام" کے عطف سے ثابت ہوتا ہے کہ قطع رحمی بڑا گناہ ہے۔

دوسری آیتوں سے خاندانی نسبت کی اہمیت

خاندان کی نسبت سے ہمدردی و بھلائی کا تعلق زندگی تک محدود نہیں ہے، بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، ورثہ میں مال و دولت کی تقسیم کا حکم اسی بنا پر ہے،

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُہُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ (الانفال ۱۰) — اور ان میں کے قرابتدار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں،

یہ خاندانی نسبت اتنی قوی ہے کہ اختلاف مذہب سے بھی رشتہ نہیں ٹوٹتا، اور ان سے

---

[۱] راغب اصفہانی، مفردات القرآن [۲] زبیدی، تاج العروس [۳] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن [۴] جصاص رازی، احکام القرآن [۵] ابن حیان، البحر المحیط

محبت کا مطالبہ قائم رہتا ہے، رسول اللہؐ نے اپنے رشتہ داروں سے فرمایا تھا،

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ - ۳)

میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا ہوں، سوائے اس کے کہ قرابت میں دوستی ومحبت کا خیال کرو،

اس رشتہ کو جو لوگ توڑتے ہیں، قرآن حکیم نے انکو فاسق اور گمراہی کا مستحق ٹھہرایا ہے،

وَمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (بقرہ: ۳)

اور اس کے ذریعہ اللہ فاسق ہی کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ سے عہد باندھکر توڑتے ہیں اور جس رشتہ کے جوڑنے کا حکم دیا اس کو قطع کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں،

رسول اللہ صلعم نے مختلف تعبیرات کے ذریعہ اسکی اہمیت بیان کی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں اس نسبت کی فضیلت اور اس کو برقرار رکھنے کی اہمیت بیان کی ہے، مثلاً

قال اللہ تبارک وتعالیٰ انا اللہ وانا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لھا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطعھا بتتہ[1]

اللہ نے فرمایا میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام اس کو نکالا، جو شخص اسکو جوڑیگا میں اسکو جوڑونگا، جو اسکو توڑیگا میں بھی اسکو توڑ دونگا،

دوسری جگہ ہے:-

الرحم شجنۃ من الرحمٰن فقال اللہ من وصلک وصلتہ ومن قطعک قطعتہ[1]

"رحم" رحمٰن سے پھٹی ہوئی شاخ ہے، اللہ نے فرمایا جس نے تجھکو جوڑا میں اس کو جوڑوں گا جس نے تجھکو قطع کیا میں اسکو قطع کروں گا۔

۱؎ ابوداؤد ومشکوٰۃ باب البر والصلہ

تیسری جگہ ہے:-

خلق اللہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مہ قالت ھذا مقام العائذ بک من القطیعۃ قال الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک قالت بلیٰ یارب[2]

اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا جب اس سے فارغ ہوا تو رحم کھڑی ہوئی اور اس نے رحمٰن کی کمر پکڑی، رحمٰن نے کہا ٹھہرجا اس نے کہا یہ اسکی جگہ ہے جو تجھ سے پناہ مانگتا ہے، رحمٰن نے کہا کیا تو اس سے راضی نہیں ہے کہ میں اس کو ملاؤں جو تجھے ملائے اور اس کو جدا کروں جو تجھکو جدا کرے، اس نے جواب دیا کہ میں راضی ہوں،

ایک اور جگہ ہے:

الرحم معلقۃ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ[3]

"رحم" عرش سے معلق ہے، وہ کہتا ہے کہ جو شخص مجھے ملائیگا اللہ اسکو ملائیگا اور جو مجھے قطع کریگا اللہ اس کو قطع کریگا،

مغربی تہذیب میں اولاد اور ماں باپ پرورش ونگہداشت کی ذمہ داری نہیں لیتے ہیں

مغربی تہذیب میں ماں باپ اور اولاد ایک دوسرے پر بوجھ بن گئے ہیں، اور ان کے درمیان حقوق وفرائض

۱؎ بخاری ومسلم کتاب البر والصلۃ ۲؎ مشکوٰۃ باب البر والصلۃ

کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، بچوں کی پرورش و نگہداشت Kinder garten گھر میں ہوتی ہے اور بوڑھے ماں باپ کی نگہداشت ان گھروں میں ہوتی ہے جو خاص ان کے لیے علیحدہ بنائے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے نہ وہ فطری جذبات پرورش پا سکتے ہیں جو خونی رشتہ کے لیے ناگزیر ہیں، اور نہ وہ جذبات بروئے کار آ سکتے ہیں جو باہمی خلوص و محبت کے لیے درکار ہیں[1]

تشکیل جدید میں فطری جذبات کے پیش نظر حقوق و فرائض کی تفصیل ہے،

تشکیل جدید میں انسان کے فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کے درمیان تعلق کو زیادہ سے زیادہ قوت پہنچائی گئی اور مختلف انداز سے ان کے حقوق و فرائض کی تفصیل بیان کر کے ان کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے، قرآن حکیم کی بہت سی آیتوں میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے، اور اکثر جگہ یہ تاکید توحید اور خدا پرستی کی تعلیم کے بعد ہے، جس سے غالباً یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کے پیدائش کی علت فاعلی (اللہ کی ذات) اور علت مادی (والدین کی ذات) دونوں کے حقوق کا یکساں خیال رکھنا ضروری ہے، صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے، اس سے متعلق چند آیتیں یہ ہیں،

وقضی ربک الا تعبدوا	اور آپ کے رب نے یہ حکم دیا کہ تم اس کے سوا
الا ایاہ وبالوالدین احسانا	کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے
اما یبلغن عندک الکبر	ساتھ بھلائی کرو، اگر ان میں سے ایک
احدھما او کلاھما فلا تقل	یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو
لھما اف ولا تنھرھما وقل	پہنچ جائیں تو ان کو اف (ہنھ) بھی نہ کہو
لھما قولا کریما واخفض لھما	اور نہ ان کو جھڑکو، اور ان سے ادب کے ساتھ

[1] صلاح الدین - سماجیات حصہ اول ص ۲۲۳

جناح الذل من الرحمۃ	نرم بات کہو اور ان کے آگے اطاعت کا
وقل رب ارحمھما کما	بازو محبت سے جھکائے رہو اور یہ دعا
ربیٰنی صغیرا	کرو کہ اے میرے پروردگار ان پر رحم
	فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میری
(لنساو : ۵)	پرورش کی

دوسری آیت میں ہے:-

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا	اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے
بہ شیئا وبالوالدین احسانا	ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین
(نساء : ۵)	کے ساتھ احسان کرو،

تیسری آیت میں ہے:

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم	آؤ، میں تمہیں سنا دوں جو تمہارے رب نے
الا تشرکوا بہ شیئا و	حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کو شریک
بالوالدین احسانا (انعام: ۱۸)	نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو

بچوں کی پرورش میں چونکہ ماں کو زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے احسان و سلوک میں اس کو زیادہ اہمیت دی گئی،

قرآن حکیم میں ہے:

ووصینا الانسان بوالدیہ	ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے
حملتہ امہ وھنا علی وھن	بارہ میں حکم دیا ہے، اسکی ماں نے اس کو
وفصالہ فی عامین ان اشکر لی	تھک تھک کر پیٹ میں رکھا اور دو سال

ولوالدیك الی المصیر

میں دودھ چھڑایا یہ کہ میرا اور والدین کا شکر کرو، میرا اور والدین کا حق ادا کرو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے،

(لقمن: ۱)

دوسری جگہ ہے:

ووصینا الانسان بوالدیه احسانا حملته امه کرها ووضعته کرها (احقاف: ۲)

ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا، ماں نے اس کو مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ اسکو جنا،

والدین کے ساتھ حسن سلوک سے متعلق چند حدیثیں یہ ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا:

ما حق الوالدین علی ولدهما قال هما جنتك ونارك
(ابن ماجہ و مشکوٰۃ باب البر والصلہ)

اولاد پر والدین کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا وہ دونوں تیری جنت ہیں یا دوزخ ہیں،

دوسری حدیث میں ہے:

رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد
(ترمذی و مشکوٰۃ باب البر والصلہ)

اللہ کی رضامندی باپ (والدین) کی رضامندی پر موقوف ہے، اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی پر موقوف ہے،

تیسری حدیث میں کیا ہے:

رغم انفه رغم انفه رغم انفه قیل من یا رسول اللہ قال من ادرك والدیه عند الکبر احدهما

اسکی ناک خاک آلود ہو، اسکی ناک خاک آلود ہو اسکی ناک خاک آلود ہو (یہ ذلت و خواری کے لیے محاورہ ہے) عرض کیا گیا کس کی یا رسول اللہ

اوکلاهما ثم لم یدخل الجنة
(مسلم و مشکوٰۃ باب البر والصلہ)

فرمایا کہ جس شخص نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں ایک کو پایا اور جنت میں نہ داخل ہوا،

قرآن حکیم کی طرح احادیث میں بھی ماں کو مقدم رکھنے کا حکم ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ حقدار ہے، آپ نے فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون، فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون، فرمایا تیری ماں، اس نے کہا پھر کون فرمایا تیرا باپ، (بخاری و مسلم کتاب البر والصلہ)

ایک شخص نے ماں باپ کے مرجانے کے بعد انکے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا، ان کے عہد و پیمان کو پورا کرنا، انکی نسبت سے لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت کرنا،

اختلاف مذہب کے باوجود والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے، حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ نے جب اپنی مشرکہ ماں کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے انکے ساتھ صلہ رحمی کی تاکید کی، (بخاری و مسلم)

ماں باپ پر اولاد کے حقوق میں سب سے مقدم پرورش ہے

تشکیل جدید میں جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں، اسی طرح اولاد کے حقوق ماں باپ پر ہیں، ان میں سب سے مقدم پرورش ہے،

قرآن حکیم نے پیدائش سے پہلے ماں باپ کی خواہش اور دعا کا ذکر اس طرح کیا ہے،

لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین (اعراف: ۲۳)

اے اللہ اگر آپ ہمیں صالح بچہ دیں تو ہم تیرا شکر کریں گے،

لفظ صالح سے خاص قسم کے اعمال و افعال مراد لیے جاتے ہیں، لیکن موقع کے لحاظ سے اسکا مفہوم بدلتا رہتا ہے، اس موقع پر "صالح" کا مفہوم مفسرین نے یہ بیان کیا ہے،[1]

[1] عروج و زوال کا الٰہی نظام (امینی)

ولداً سویاً قد صلح بدنه[1] — تندرست بچہ جس کا جسم درست ہو

سویاً مستوی الاعضاء[2] — تندرست جس کے جوڑ بند درست ہوں،

سویاً تام الخلق یصلح للقیام — مکمل تندرست جس میں فائدہ بخش انسانی

بالاعمال البشریة النافعة[3] — کام انجام دینے کی صلاحیت ہو،

پرورش اس انداز کی ہو کہ جس چیز کی بچہ کو ضرورت ہے وہ اس کو مل سکے | پرورش اس طرح ہونی چاہئے کہ مناسب طریقہ پر بچہ کی نشوونما ہو سکے اور اس عمر میں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسکو مل سکے، چنانچہ دودھ پلانے کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے

وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (بقرہ: ۳۰)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، یہ ان کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔

دودھ پلانے کے رشتہ کا اس قدر احترام ہے کہ اگر ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت دودھ پلائے تو اس سے اور اس کی اولاد سے نسبی رشتہ جیسی حرمت ثابت ہو جاتی ہے،

وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة (نسا۔ ۴)

اور وہ مائیں حرام ہیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا، اور تمھاری دودھ شریک بہنیں بھی حرام ہیں،

باپ کے ذمہ دودھ پلانے والی کی کفالت ہے، خواہ ماں ہو یا دوسری عورت ہو،

وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف (البقرہ۔ ۳۰)

اور لڑکے والے (باپ) پر دودھ پلانے والی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا کپڑا ہے

بچوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار و محبت کا ذکر متعدد حدیثوں میں ہے، ایک مرتبہ

[1] قاضی عبداللہ بیضاوی [2] شیخ سلیمان، الجمل الجمل حاشیہ جلالین [3] عبدہ مصری المنار ج ۹

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

اتقبلون الصبیان فما نقبلهم فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم اواملك لك ان نزع اللہ من قلبك الرحمة (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ باب الشفقة والرحمة علی الخلق)

کیا آپ لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں، ہم نے تو کبھی نہیں لیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تمھارے دل سے رحمت نکال دی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں،

دوسری روایت میں اعرابی کا نام اقرع بن حابس ہے، جس نے رسول اللہ صلعم کو حسنؓ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھکر کہا تھا کہ میرے دس بچے ہیں، میں ان کا کبھی بوسہ نہیں لیتا، اس پر آپ نے فرمایا:

من لم یرحم لا یرحم (بخاری کتاب الادب) — جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا،

ایک اور حدیث میں ہے

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (ترمذی و مشکوٰۃ باب الشفقة)

جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے،

پیار و محبت کے اظہار میں مساوات کا خیال رکھنا ضروری ہے، یعنی چھوٹے اور بڑے کے درمیان لین دین میں امتیاز نہ برتنا چاہیے، کہ ایک کو عطیہ دے اور دوسرے کو بلا وجہ محروم کر دے، جس سے اسکی حق تلفی ہوتی ہو۔ چنانچہ نعمان کے والد نے ایک مرتبہ ان کو عطیہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ

اکل ولدك نحلت مثله قال لا قال فارجعه (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ باب العطایا)

کیا تم نے سب لڑکوں کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے، انھوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس کو واپس لے لو،

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ایسرک ان یکونوا الیک فی البر سواء قال بلی قال فلا اذاً

(بخاری و مسلم و مشکوۃ باب العطایا)

کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمھارے سب بیٹے تمھارے ساتھ حسن سلوک میں برابر ہوں، انھوں نے کہا "ہاں" آپ نے فرمایا پھر ایسا کرو (یعنی ان میں عدم مساوات نہ برتو)

ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

اتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم

(ایضاً)

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری قائم رکھو،

لڑکیوں کی پرورش کی طرف خصوصی توجہ کا حکم

عربوں میں لڑکیوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اس لیے رسول اللہ صلعم نے انکی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی، ایک موقع پر فرمایا

من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ[1]

جس کے لڑکی ہو اس نے اس کو زندہ رہنے دیا، اسکی بے توقیری نہ کی اور اس پر لڑکے کو ترجیح نہ دی تو اللہ اسکو جنت میں داخل کریگا،

دوسری روایت میں ہے:

من ابتلی من ھذہ البنات بشئ فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار[2]

جس شخص کی لڑکیاں ہوں اور اس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کیلئے دوزخ کی آگ سے حجاب بنجائیں گی،

ایک اور روایت میں ہے:

[1] ابوداؤد و مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق [2] بخاری و مسلم و مشکوۃ باب ایضاً

من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیمۃ انا وھو ھکذا وضم اصابعہ

(مسلم و مشکوۃ)

جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو وہ شخص اور میں قیامت کے دن ایک ساتھ ہوں گے جیسے انگلیاں ایک ساتھ ہوتی ہیں،

مناسب پرورش کی خاطر پیدائش کے درمیان وقفہ یا وقت ضرورت ضبط ولادت کی اجازت

بچوں کی مناسب پرورش میں اگر غربت و افلاس حائل ہو تو مختلف تدبیروں کے ذریعہ پیدائش کے درمیان وقفہ اور اگر ضرورت ہو تو ضبط ولادت کی بھی اجازت ہے،

موجودہ ترقی یافتہ زمانہ میں ضبط ولادت کی جو صورتیں رائج ہیں، وہ نزول قرآن کے زمانہ میں نہ تھیں، اس بنا پر قرآن و سنت میں ان کا صریح حکم تلاش کرنا اور نہ ملنے کو بنیاد بنا کر اس کے عدم جواز کا فیصلہ کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں ہے، اس مسئلہ میں بنیادی حیثیت سے جو بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ "اسلام کے اصول" Fundamental principles) اور کلی پالیسی کے خلاف نہ ہو، اگر خلاف ہے تو بلا رو رعایت عدم جواز کا فیصلہ کر دینا چاہیے، اور اگر نہیں ہے تو پھر جواز و عدم جواز کے کسی ایک پہلو پر اصرار قطعاً غیر مناسب ہے، حالات کے لحاظ سے دونوں پہلوؤں کی گنجایش ہونی چاہیے جس طرح حالات کے تحت کبھی کثرت ولادت کی حوصلہ افزائی ناگزیر ہے، اسی طرح حالات کے ماتحت ضبط ولادت کی بھی واقعی ضرورت ہوتی ہے، غالباً اسی لیے قرآن و سنت میں اس کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں دیا گیا ہے،

حالات کے لحاظ سے ضبط ولادت اسلام کے اصول اور کلی پالیسی کے خلاف نہیں ہے

اس سلسلہ میں چند چیزیں پیش کیجاتی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ حالات کے لحاظ سے ضبط ولادت

اسلام کے اصول اور کلی پالیسی کے خلاف نہیں ہے،

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ	اور جو شخص تم میں سے اسکی مقدرت نہ رکھتا
يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ	ہو کہ وہ مومنہ عفیفہ عورتوں سے نکاح
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ	کرے تو مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرلے
المومنات (نساء - ۴)	

دوسری جگہ ہے

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ	جو لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے
نِكَاحًا حتى يغنيهم الله من فضله	ان کو چاہیے کہ عفت کی زندگی اختیار کریں
(النور : ۴)	یہانتک کہ اللہ انکو اپنے فضل سے مالدار کر دے،

آیتوں سے ثبوت | ان آیتوں میں جب غربت وافلاس کو شادی کے باب میں موثر رکاوٹ تسلیم کیا گیا ہے تو وقت ضرورت کثرت اولاد کے باب میں بھی یہ رکاوٹ قابل تسلیم ہونی چاہیے،

(۲) نزول قرآن کے زمانہ میں ضبط ولادت عزل (مادۂ تولید اندر نہ جانے دینا) کی صورت میں رائج تھا، لیکن قرآن حکیم نے اسے منع نہیں کیا، حضرت جابرؓ نے اس سکوت کو اجازت پر محمول کیا ہے

کنا نعزل والقرآن ينزل	ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل
(مسلم ج ۱ باب حکم العزل)	ہوتا تھا۔

سفیانؒ کہتے ہیں:

لو كان شيئاً ينهى عنه لنهانا عنه	عزل اگر ممانعت کے لائق ہوتا تو قرآن
القرآن (ایضاً)	اس سے منع کر دیتا۔

(۳) آیت: نساءكم حرث لكم	تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، اپنی
فأتوا حرثكم انى شئتم (بقرہ ۲۸)	کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔

کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے:

كيف شئت ان شئت عزلا	جس طرح چاہو عزل کے ساتھ
او غير عزل (جصاص رازی، احکام القرآن ج ۱ ص ۳۶۷)	یا بغیر عزل کے۔

(۴) ذالك ادنى ان لا تعولوا (نساء) کی تفسیر میں زید بن اسلم، جابر بن زید (جلیل القدر تابعین) اور امام شافعی سے منقول ہے

ان لا يكثر عيالكم	ایک عورت یا صرف باندی پر اکتفا اس
(لسان العرب ج ۱۴ عول، و روح المعانی	بات سے زیادہ قریب ہے کہ تمھارے عیال
جز رابع ص ۱۹۴ للسید محمود آلوسی و الکشاف ص ۲۲۶ (الزمخشری))	زیادہ نہ ہوں۔

سفیان بن عینیہ سے الا تعولوا کی یہ تفسیر منقول ہے۔

ان لا تفتقروا (روح المعانی جز رابع ص ۱۹۴)	اس بات سے زیادہ قریب ہے کہ تم محتاج نہ ہو۔

(۵) قلت وکثرت اولاد کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، بعض سے کثرت اولاد کی حوصلہ افزائی ہوتی اور بعض سے قلت کی پسندیدگی کی ہوتی ہے

(۶) اسی طرح عزل کے باب میں روایتیں مختلف ہیں، بعض سے اجازت ثابت ہوتی، اور بعض سے مخالفت کا ثبوت ملتا ہے، ان سب روایتوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں حالات کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر وسعت تھی ورنہ کسی ایک جانب قطعی فیصلہ کر دینے میں آپ کو کوئی دشواری نہ تھی،

(۷) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مصر کے فاتح اور حکمراں حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس وقت

کے حالات کے لحاظ سے قوم کے سامنے یہ خطبہ دیا تھا جس کو حکومت کی وقتی پالیسی کہا جاسکتا ہے،

یا معشر الناس ایاکم وخلال
اربعة فانها تدعو الی النصب
بعد الراحة والی الضیق
بعد السعة والی المذلة بعد
العزة ایاکم وکثرة العیال
واخفاض الحال وتضییع
المال والقیل بعد القال
ومن غیر ذکر ولا نوال[5]

اے لوگو چار خصلتوں سے بچو، کیونکہ یہ
آرام کے بعد تکلیف، فراخی کے بعد تنگی
اور عزت کے بعد ذلت کا باعث ہوتی
ہوتی ہیں، (۱) کثرت عیال سے بچو
(۲) حال پستی (گھٹیا معیار زندگی) سے بچو
(۳) مال ضائع کرنے (۴) اور بے مروت
و بے مقصد باتوں میں وقت ضائع کرنے
سے بچو

اس خطبہ کو تفصیل کے ساتھ ابن عبد الحکیم نے مصر کی تاریخ میں نقل کیا ہے،[6]

(۴) امام غزالی اور شاہ عبد العزیز نے بھی قلت مال کی وجہ سے عزل کی اجازت دی ہے،[7]

ضبط ولادت میں گنجائش نکلنے کے بعد یہ بحث زیادہ وقیع نہیں رہتی کہ اس کے لیے مرد کوئی تدبیر اختیار کرے یا عورت، لیکن یہ گنجائش محدود اور بدرجہ مجبوری ہے، اگر بلا کسی قید کے اس کی عام اجازت دیدی جائے تو اس کے نتائج نہایت خطرناک شکل میں ظاہر ہونگے جیسا کہ مغربی تہذیب اور اس کے مقلد سماج میں ظاہر ہو رہے ہیں،

---

[5] یوسف ابن تغری بردی النجوم الزاہرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ ج ۱ ص ۲۰، [6] ابن عبد الحکیم: فتوح مصر و اخبارہا ج ۱ ص ۹۳، [7] غزالی: احیاء العلوم ج ۲ آداب المعاشرہ ص ۲۴

مولانا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی

از مولانا شاہ محمود احمد قادری استاذ مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور

حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی علیہ الرحمہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ کے مرید وخلیفہ اور استاذ المحدثین حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ کے نامور اور ممتاز و محبوب و مشہور شاگرد تھے، مولانا وصی احمد محدث کا شمار حدیث کے نامور اساتذہ میں تھا، ذیل میں ان کے حالات لکھے جاتے ہیں،

ولادت وخاندان مولانا وصی احمد محدث، اکبر شاہ ثانی کے عہد زوال ۱۸۳۶ء میں بمقام سورت پیدا ہوئے، سنہ ولادت مولانا غلام مہر علی نے ۱۸۴۱ء لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے،[1] ان کا نسبی تعلق محمد بن حنفیہ بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے، اسی نسبت سے وہ اپنے دستخطوں میں حنفی تحریر کرتے تھے، ان کے بزرگ مولانا قاسم ابن شیخ طاہر مدینہ طیبہ کے ساکن تھے، انھوں نے سولھویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں بعہد شاہ جہاں اپنے خاندان کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا، اور سورت کی بندرگاہ کے راستہ سے راندیر پہنچے، ورود ہند کے بعد مولانا قاسم کے ہمراہی اور اہل خاندان دو حصوں میں بٹ گئے، کچھ لوگوں نے شاہی فوج میں ملازمت کرلی اور عنایت خاں ابن

---

[1] الیواقیت المہریۃ لشرح الشورۃ المنذیۃ: مولفہ مولانا غلام مہر علی ص ۸۷

قاسم خاں گورنر بنگال کی سرپرستی میں کلکتہ کے قرب وجوار میں پرتگیزوں سے معرکہ آرا ہوئے اور ان کو شکست دی، ان لوگوں نے عنایت خاں کی اجازت سے مسجد تعمیر کر کے اسی خطہ میں بود و باش اختیار کر لی، ان کی کوشش اور توجہ سے ان مسلمانوں کو جنھیں انگریز مشنریوں نے عیسائی بنا لیا تھا، پھر اسلام کی دولت نصیب ہوئی،

مولانا شیخ قاسم نے راندیر کی سکونت پسند کی اور یہاں علم دین کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہوگئے، انھوں نے ذریعۂ معاش کے لیے متقدمین ائمہ و محدثین کی طرح تجارت کا پیشہ کیا، راندیر میں ان کی کپڑوں کی بہت بڑی دوکان تھی، جو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزی فوجوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی، مولانا قاسم نے لمبی عمر پائی، ۱۸۸۵ء میں انکی وفات ہوئی،

جنگ آزادی ہند اور محدث سورتی کا سفر عراق و حجاز

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں محدث سورتی اکیس ۲۱ برس کے تھے، اور ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا طیب ابن شیخ قاسم حاصل کر چکے تھے، انگریزوں سے نفرت ان کو ورثہ میں ملی تھی، جذبۂ جہاد سے سرشار تھے، اس لیے ہنگامہ شروع ہونے کے بعد انگریزی فوجوں نے سب سے زیادہ ظلم و ستم کا نشانہ ان ہی لوگوں کو بنایا جو مذہب کے دلدادہ تھے، محدث سورتی کے خاندان کے متعدد افراد گولیوں کا نشانہ بنے، ان کے دادا مولانا شیخ قاسم کی قائم کردہ کپڑوں کی دوکان جلا کر خاکستر کر دی گئی، اور ان کے مکانات پر فوج نے قبضہ کر لیا، محدث سورتی اور ان کے والدین اور چھوٹے بھائی مولانا عبد اللطیف کئی دن روپوش رہنے کے بعد چھپتے چھپاتے دخانی جہاز کے ذریعہ بغداد پہنچے، تین سال سے زیادہ یہاں مقیم رہنے کے بعد حجاز کا سفر کیا، اور حج کے شرف سے مشرف ہوئے، پھر کچھ دنوں تک مدینہ منورہ میں قیام کیا، اس عرصہ میں ہندوستانی سیاست میں سکون پیدا ہو چکا تھا، دار و گیر کا سلسلہ

ختم ہو گیا تھا، اور باغیوں کے عام معافی کا اعلان بھی ہو چکا تھا، اس لیے محدث سورتی نے والد، والدہ اور بھائی کے ساتھ پھر ہندوستان کا رخ کیا، مولانا طیب نے راندیر میں پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال کیا، اور راندیر پہنچنے کے بعد والدہ ماجدہ نے بھی ۱۸۶۶ء میں داغ مفارقت دیا، ان کا نام بی بی حلیمہ تھا، اور وہ مولانا خیر الدین محدث سورتی کی نواسی تھیں،

مولانا خیر الدین دور آخر کے ان علماء میں تھے، جو رسوخ فی العلم، زہد و تقویٰ اور عبادت و اطاعت میں ائمہ و مشائخ کی یادگار سمجھے جاتے تھے، انھوں نے مولانا محمد بن عبد الرزاق سورتی سے حصول تعلیم کے بعد حج و زیارت کے لیے حجاز کا سفر کیا، اور مدینہ طیبہ میں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر علامہ حیات سندھی علیہ الرحمہ سے حدیث کا درس لیا، وہاں سے واپس ہو کر وطن میں درس حدیث میں مشغول ہو گئے، اور پورے پچاس برس تک ان کی خانقاہ درس حدیث کا مرکز رہی، اور دور دراز ملکوں کے طالبین حدیث نے آکر ان سے سند حدیث حاصل کی، مشہور عالم، لغوی، مفسر، محدث، صوفی اور معقولی علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ حجاز جاتے ہوئے ان کے مدرسہ میں ٹھہرے تھے، اور ان سے فیض حاصل کیا تھا، مولانا خیر الدین نے ۱۰ رجب المرجب ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی، اور سورت میں مدفون ہوئے، ان کی تصانیف میں شواهد التجرید تصوف کی عمدہ کتاب ہے[1]،

محدث سورتی کا طلب علم کے لیے سفر

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد مولانا وصی احمد محدث سورتی نے راندیر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، اور جو جائداد تباہی سے بچ گئی تھی اسے فروخت کر کے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبد اللطیف کو ساتھ لیکر تحصیل علم کے لیے مدرسہ حسین بخش دہلی پہنچے، پھر کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۴ھ کی خدمت

[1] نزہۃ الخواطر جلد ہفتم از مولانا حکیم عبد الحی ص ۱۱۶

میں علی گڑھ کی جامع مسجد کے مدرسہ میں داخل ہو گئے، اور مفتی صاحب کی توجہ خاص سے ۱۲۹۰ھ میں علوم عقلیہ اور فقہ و تفسیر کی تکمیل کر لی۔[1] علی گڑھ میں انھوں نے مولانا محمد علی کانپوری مونگیری المتوفی ۱۳۴۶ھ سے بھی درس لیا،[2] دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ کے مشورہ و ہدایت سے مشہور محدث مولانا احمد علی سہارنپوری کے حلقۂ درس میں جا کر شامل ہوئے،

حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ اور حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری بانی دار العلوم حزب الاحناف لاہور المتوفی ۱۳۵۴ھ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے رفیق درس تھے، مولانا غلام مہر علی گولڑوی الیواقیت المہریہ بشرح الثورۃ الہندیہ میں مولانا سید دیدار علی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں

ثم رحل سنۃ الهجریۃ اثنتین
وتسعین بعد الالف والمائتین
لاخذ علم الحدیث الی بلدۃ
سہارنپور فاخذ الحدیث عن
استاذ الکل الشیخ الشہیر فی
الشرق والغرب المحدث علی احمد
السہارنپوری محشی البخاری
الشریف فرغ عن جمیع العلوم

پھر اس کے بعد انھوں نے ۱۲۹۲ھ میں
علم حدیث کی تحصیل کے لیے سہارنپور کا
سفر کیا اور استاذ الکل اور شہرۂ آفاق
محدث مولانا احمد علی سہارنپوری محشی
بخاری سے حدیث کا درس لیا اور تمام
علوم سے فراغت حاصل کی اور ۱۲۹۳ھ
میں محدث ممدوح سے سند حاصل کی،
ان کے رفقائے حدیث میں عارف کبیر

[1] الیواقیت المہریہ ص ۸۰ [2] نزہۃ الخواطر جلد ہشتم از حکیم عبد الحئی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ص ۵۱۶ و المعتمد المستند از مولانا احمد رضا بریلوی ص ۲۳۳

وشرف بالسند المبارک
عن المحدث الممدوح سنۃ
ثلاثین وتسعین بعد الالف
والمائتین من الهجریۃ وکان
من شرکائہ فی اسباق کتب
الحدیث العارف الکبیر
والامام الجلیل الغوث الامجد
مرشدنا الاعظم قبلتنا
ومولانا السید مہر علی
الشاہ الگولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ
والمحدث الشہیر الامام
الاستاذ والعلام المحدث
وصی احمد السورتی ثم
البیلی بھیتی محشی شرح معانی
الآثار

اور امام جلیل، غوث امجد ہمارے
قبلہ و آقا سید مہر علی شاہ گولڑوی
(اللہ کی ان پر رحمت ہو) اور محدث شہیر
استاذ امام، محدث علام وصی احمد
سورتی پیلی بھیتی محشی شرح معانی
الآثار تھے۔

حضرت مولانا سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے ذکر میں رقمطراز ہیں:

ثم انتقل منہا (علی گڑھ) سنۃ
الهجریۃ اثنتین وتسعین

پھر علی گڑھ سے ۱۲۹۲ھ میں سہارنپور
منتقل ہو گئے اور محدث شہیر، علامہ تحریر

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۱۸

بعد الالف والمائتين الى بلدة
سهارنپور وقرأ كتب الحديث
على المحدث الشهير والعلامة
النحرير استاذ علماء الهند
فى الحديث الشيخ الكبير المحدث
احمد على السهارنپورى
وفرغ عن جميع العلوم سنة
الهجريه ثلث وتسعين بعد
الالف والمأتين مطابقة
لسنة الميلادية خمس سبعين
بعد الالف وثمان مائة[1]

حدیث میں علما ہند کے استاذ شیخ
کبیر احمد علی سہارنپوری سے کتب
حدیث پڑھیں، اور ۱۲۹۳ھ مطابق
۱۸۷۵ء میں تمام علوم سے فراغت
حاصل کر لی۔

مولانا غلام مہر علی نے ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۵ء تحریر کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، ۱۸۷۵ء کے بجائے ۱۸۷۶ء ہونا چاہیے،

مولانا غلام مہر علی نے مولانا پیر مہر علی شاہ اور مولانا سید دیدار علی شاہ کا ورود سہارنپور ۱۲۹۲ھ اور تکمیل دورۂ حدیث ۱۲۹۳ھ میں لکھا ہے، اور مولانا وصی احمد محدث سورتی کو ان کے رفقاء میں شمار کیا ہے، لیکن محدث سورتی کے نواسے مولانا قاری حکیم احمد کی تحریری روایت ان دونوں روایتوں سے مختلف ہے، مگر ان کی تحریری روایت بھی تاریخی شواہد کی روشنی میں غلط ثابت ہوئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

[1] الیواقیت المہریہ ص ۱۴۱

"آپ (محدث سورتی) کے سہارنپور جانے کے بعد ہی سہارنپور میں مظاہر علوم کی بنیاد پڑی اور دیوبند میں چھتہ کی چھوٹی سی مسجد میں ۱۵ مئی ۱۲۸۳ھ کو ایک دینی درسگاہ کا قیام عمل میں آیا۔"

مدرسہ دیوبند ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق مئی ۱۸۶۶ء کو چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے قائم ہوا، اور اسی سنہ میں مدرسہ مظاہر علوم کا قاضی محلہ سہارنپور میں قیام عمل میں آیا، اس وقت مولانا وصی احمد محدث سورتی علی گڑھ میں استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علی گڑھ کی درسگاہ میں تحصیل علم میں مصروف تھے، مدرسہ دیوبند ۱۲۹۰ھ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے جامع مسجد میں منتقل کر دیا گیا، جب یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو مولانا محمد قاسم نانوتوی المتوفی ۱۲۹۷ھ نے مدرسہ کے لیے آبادی سے باہر ایک کشادہ اور وسیع عمارت کی تجویز پیش کی، چنانچہ زمین کی خریداری کے بعد ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو جمعہ کے دن موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا،[1]

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور جس کا نام پہلے مدرسہ اسلامیہ تھا، رجب ۱۲۸۳ھ میں قاضی محلہ میں قائم ہوا، حافظ فضل حق المتوفی ۱۳۰۲ھ نے اپنا ذاتی مکان توڑ واکر ایک عمارت تیار کرائی اور مدرسہ کو قاضی محلہ سے اس نئی عمارت میں لے آئے اور .... اپنے دوست اور مدرسہ کے صدر مدرس و شیخ الحدیث مولانا محمد مظہر نانوتوی المتوفی ۱۳۰۲ھ کے نام پر مدرسہ کا تاریخی نام "مظاہر العلوم" رکھا،[2]

محدث سورتی کو مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی بارگاہ علم و فضل میں خصوصی تقرب حاصل تھا، ان پر وہ بڑی شفقت فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانہ میں مولانا احمد علی

[1] تاریخ دیوبند از مولانا محبوب رضوی ص ۸۲، [2] تذکرۃ الخلیل مؤلفہ مولانا عاشق علی میرٹھی ص ۱۳۵، ۱۳۶

شاہ اسحاق صاحب محدث دہلوی سے حدیث پڑھ رہے تھے، اُس زمانہ میں محدث سورتی کے پیر و مرشد حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ دہلی میں موجود تھے، وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ کے تلمیذ خاص تھے، اسلیے شاہ اسحاق صاحب محدث اور حضرت گنج مراد آبادی ایک دوسرے کو حدیث سنایا کرتے تھے،[1] ان تعلقات اور حضرت گنج مراد آبادی کے تقدس کے پیش نظر مولانا احمد علی ہمیشہ گنج مراد آباد حاضر ہوا کرتے تھے، اور اپنے تلامذہ کو حضرت گنج مراد آبادی سے مرید ہونے کی تلقین کیا کرتے تھے، مولانا وصی احمد محدث سورتی علی گڑھ سے تکمیل کے بعد گنج مراد آباد چلے گئے تھے، اور وہیں سے سہارنپور پہنچے تھے وہ اپنے شیخ مولانا احمد علی کی خدمت وطاعت کو اپنے لیے فخر و سعادت تصور کرتے تھے،

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اپنے علمی کمال کی بنا پر خانوادۂ ولی اللّٰہی کے رکن خصوصی تصور کیے جاتے تھے، ان کے تلامذہ میں مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی المتوفی ۱۳۵۶ھ، مولانا سید دیدار علی شاہ محدث الوری لاہوری المتوفی ۱۳۵۴ھ، مولانا محمد قاسم نانوتوی المتوفی ۱۲۹۷ھ، مولانا شبلی نعمانی المتوفی ۱۳۳۲ھ، مولانا محمد احسن نانوتوی المتوفی ۱۳۱۲ھ، مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ جیسے مشاہیر علماء تھے، مولانا احمد علی کے فرزند مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا خلیل الرحمٰن نے بھی علمی دنیا میں بڑی شہرت حاصل کی،

مولانا گنج مراد آبادی کی خدمت میں مولانا وصی احمد محدث سورتی نے سہارنپور جانے سے پہلے استاذ العلماء مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی ہدایت سے گنج مراد آباد جاکر مولانا شاہ فضل رحمٰن

[1] افضال رحمانی مرتبہ شاہ افضال رحمانی گنج مراد آبادی سجادہ نشین خانقاہ گنج مراد آبادی ص ۲۵

گنج مراد آبادی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل کرلیا تھا، پھر کچھ دنوں کے بعد سلوک و معرفت کی تربیت کے لیے عرصہ تک مرشد کی خدمت میں رہے، اس کی تکمیل کے بعد ان کو سلسلۂ قادریہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی اور علوم حدیث کے نشر کا حکم دیا، مولانا امیر غلام علی لکھتے ہیں :-

واقام فی حضرتہ زمانا فشرف	ایک زمانے تک ان کی خدمت میں حاضر
عن حضرتہ القدسیۃ فضلا	رہے، اور ان کے نفس قدسیہ کی برکت سے
وعرفانا فاجازہ الشیخ فی السلسلۃ	فضل و عرفان سے مشرف ہوئے اور شیخ
القادریۃ واشارہ الی نشر الحدیث	نے ان کو سلسلۂ عالیہ قادریہ کی اجازت
وخدمۃ الدین[1]	عطا کی اور علوم دینی کے نشر اور خدمت دین کا

مولانا ابوالحسن علی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے "تذکرہ مولانا شاہ فضل رحمٰن" کے طبع اول میں خلفاء کے ذیل میں محدث سورتی کا بھی نام درج کیا تھا، مگر موجودہ اشاعت میں نہ جانے کیوں ان کا نام نکال دیا گیا،[2]

مدرسہ فیض عام کانپور میں درس حدیث گنج مراد آباد سے رخصت ہوکر محدث سورتی کانپور آئے اور ایک عرصہ تک یہاں مقیم رہے، مولانا حکیم عبدالحئی صاحب لکھتے ہیں : "ثم رجع الی کانپور واقام بھا زمانا"[3]

اس میں اتنا تسامح ہے کہ گنج مراد آباد سے آمد کے بجائے سہارنپور سے لکھدی ہے، مولانا احمد حسن کانپوری سے پہلے سے روابط تھے، اس لیے ان ہی کے یہاں قیام ہوا، مولانا کانپوری نے حضرت گنج مراد آبادی کی تحریک پر اپنی چھوٹی سالی سے پہلی بھیت میں محدث

[1] الیواقیت المہریہ ص ۷۰ [2] پہلی اشاعت میں خلفاء و مریدین کے نام درج کیے گئے [3] نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۵۱۶

سورتی کا عقد کرا دیا، اور مدرسۂ فیض عام میں محدث مقرر کیا،

پیلی بھیت کا قیام

پیلی بھیت میں ازدواجی رشتہ ہو جانے کی وجہ سے وہاں محدث سورتی کی آمد و رفت رہا کرتی، وہاں کے عوام و خواص کی بڑی اکثریت حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھی، حکیم خلیل الرحمٰن خاں خصوصی تعلق رکھتے تھے انکو حضرت گنج مراد آبادی کے یہاں ایک نوع کا تقرب حاصل تھا، حکیم صاحب کی استدعا پر حضرت گنج مراد آبادی نے محدث سورتی کو پیلی بھیت جاکر درس حدیث جاری کرنے کا حکم دیا، انکے پیلی بھیت پہنچنے پر حکیم خلیل الرحمٰن نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں[1] المقتول ۱۱۸۸ھ کی تعمیر کردہ جامع مسجد (سنہ تعمیر ۱۱۸۳ھ) میں حافظ الملک کی یادگار میں مدرسۂ حافظیہ کے نام سے ۱۲۹۵ھ کے آخر میں ایک مدرسہ قائم کیا، کچھ عرصہ کے بعد مولانا وصی احمد نے ایک وسیع قطعۂ آراضی خرید کر کے ۱۳۰۱ھ میں پنجاب، بدایوں اور فرنگی محل لکھنؤ کے علما کی موجودگی میں مولانا احمد رضا فاضل بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) کے ہاتھوں سے عمارت کا سنگ بنیاد رکھوایا اور تین گھنٹے تک حدیث کے موضوع پر تقریر فرمائی،[2] اس مدرسہ کا نام مدرسۃ الحدیث رکھا گیا، مولانا غلام مہر علی نے مدرسۃ الحدیث کا سال تاسیس ۱۸۶۹ء لکھا ہے،[3] اگر ان کا بیان صحیح مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ محدث سورتی ۱۸۶۸ء / ۱۲۸۳ھ یا اس سے پہلے پیلی بھیت پہنچ چکے تھے، حالانکہ اسی سنہ میں وہ علی گڑھ میں اکتساب علم میں مصروف تھے، اس کے علاوہ ان کے قیام پیلی بھیت کی مدت مشہور روایت کے مطابق چالیس برس کے بجائے چونسٹھ برس ماننا پڑیگی جو صریحاً غلط ہے،

---

[1] تعمیر مسجد کے واقعہ اور احوال حافظ الملک کیلئے حافظ رحمت خاں مرتبہ سید الطاف علی بریلوی دیکھی جائے [2] حیات اعلیٰ حضرت حصہ سوم (قلمی) مرتبہ مولانا ظفر الدین قادری رضوی بہاری ملوکہ پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۰،

[3] الیواقیت المہریہ ص ۸۰،

مجلس ندوۃ العلماء میں شمولیت اور علیحدگی

مولانا وصی احمد محدث سورتی کو علوم دین کی اشاعت سے گہرا تعلق خاطر تھا، وہ چاہتے تھے کہ حدیث رسول کی جس شمع کو اسلاف کرام نے روشن کیا ہے، اس کی روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، اس لیے علم دین کے نام سے جو تحریک بھی سامنے آتی تھی، محدث سورتی اس میں پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں جب مدرسۂ فیض عام کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں اصلاح نصاب کی تجویز پاس ہوئی تو مولانا محمد علی کانپوری مونگیری نے باتفاق رائے مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کو اس میں شرکت کی دعوت دی اور دعا کی درخواست کی جس کو آپ نے قبول فرمایا، اور آپ کے حکم کے مطابق محدث سورتی نے پورے جوش و خروش سے اس میں حصہ لیا، اور مجلس ندوۃ العلماء کو فروغ دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، مگر ندوۃ العلماء سے ان کی یہ وابستگی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی، اس کے پہلے اجلاس منعقدہ کانپور ۱۳۱۱ھ کی دوسری نشست میں مولوی غلام حسین کنتوری مجتہد کی تقریر کا بہت بڑا اثر ہوا، تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی المتوفی ۱۳۱۸ھ، مولانا سید عبد الصمد سہسوانی[1] اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی بڑے جوش و خروش سے شریک ہوئے تھے، بلکہ فاضل بریلوی ایک مقالہ بھی لکھ کر لائے تھے جس میں مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما کی بیحد تعریف و توصیف کی تھی،[2] مجتہد کنتوری کی

---

[1] مولانا سید عبد الصمد سہسوان ضلع بدایوں کے باشندے تھے، ۱۴ شعبان ۱۲۶۹ھ موافق ۱۸۵۳ء کو رجبہ کو پیدا ہوئے، مولانا نور احمد بدایونی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا عبد القادر بدایونی سے تکمیل علوم کی، ۱۹ برس کی عمر میں فراغت کی سند پائی، ۱۲۸۳ھ میں مدینہ طیبہ میں چھ ماہ حاضر رہ کر سید مبارک مدنی کو بخاری زبانی سنائی، مولانا حافظ محمد اسلم خیرآبادی المتوفی ۱۲۶۶ھ کے مرید و خلیفہ تھے، مشاہیر علماء و مشائخ میں ان کا بڑا مرتبہ تھا، ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو بھیجوں میں ان کا انتقال ہوا، تذکرہ علماء اہل سنت ص ۱۲۹، ۱۳۰ و نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۲۵۶ ملفوظ مصابیح القلوب (سوانح مولانا عبد الصمد) [2] علمائے سلف مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی و سیرۃ مولانا محمد علی مونگیری مرتبہ محمد الحسنی ص ۱۳۱،

تقریر سے سخت برہم ہوئے[1]،

یہ نقطۂ آغاز تھا جس نے آگے چل کر اختلاف کی زبردست خلیج پیدا کر دی، محدث سورتی بھی ان علماء کے ساتھ مجلس ندوۃ العلماء سے علیحدہ اور اس کی مخالفت میں علمائے بدایوں، بریلی، سہسوان کے ساتھ شریک ہو گئے، اور قاضی عبدالوحید رئیس اعظم آباد، پٹنہ المتوفی ۱۳۲۶ھ نے جب ندوہ کے مقابلہ میں پٹنہ میں علمائے اہل سنت کی مجلس تشکیل کی اور اس کے زیر اہتمام مدرسہ حنفیہ قائم کیا تو قاضی صاحب کی دعوت پر محدث سورتی ایک سال سے زیادہ (۱۳۲۱-۲ھ) اس میں مصروف رہے، خیرآبادی سلسلہ کے مشہور معقولی عالم مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی سہارنپوری[2] المتوفی ۱۳۴۳ھ کا فیض درس ان ہی دنوں اس مدرسہ میں جاری تھا،

محدث سورتی کی مجلس ندوۃ العلماء سے علیحدگی کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بہت سراہا اور لکھا کہ انھوں نے اپنے اساتذہ کے مقابلہ میں حق کی حمایت کی، لکھتے ہیں:

الفاضل الکامل، جبل
الاستقامة، کنز الکرامة
صدیقنا وحبیبنا مولانا المولوی
محمد وصی احمد الحنفی المحدث
السورتی وطنا نزیل پیلی بھیت
حفظہ اللہ تعالیٰ ناصر الدین
ومحا المبتدعین وشیعتہ
علی الحق احسن تثبیت فانہ
سلمہ اللہ تعالیٰ کان تلمیذ

فاضل کامل، استقامت کے پہاڑ، بزرگی
کا خزانہ، ہمارے دوست اور ہمارے
حبیب مولانا مولوی محمد وصی احمد محدث
سورتی وطناً اور پیلی بھیتی نزیلاً، دین کے
مددگار اور مبتدعین کی طاقتوں کو اکھاڑنے
والے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے
اور حق پر ان کو بہترین ثبات عطا فرمائے،
وہ (اللہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے،)
مولانا محمد علی کانپوری ناظم اور انکے استاذ

[1] سیرۃ مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۲۹ [2] ان کے احوال کے لیے تذکرہ علمائے اہل سنت دیکھی جائے۔

الکانپوری المذکور ناظم الندوہ
وتلمیذ شیخہ وصدرها
ولکن لم یستخفہ الذین لا یوقنون
وما استطاعوا ان تزل قدم
بعد ثبوتہا وقد کان معاشہ
حفظہ اللہ تعالیٰ من بیت ندوی
عنادا وطغی واعتدی وبغی
فقطع ادرارہ قاصدا
اضرارہ ولکن الفاضل حبیبنا
سلمہ اللہ تعالیٰ لم یکن لیؤثر
الدنیا علی الدین فمن یومئذ
سمیتہ الاسد الاسد الاشد
الارشد وھو اھل لھذا

(مولانا لطف اللہ) صدر ندوہ کے شاگرد
تھے لیکن یقین کی دولت سے محروم افراد حق
پر ثابت قدم ہونے کے بعد ان کے پائے استقلال
کو متزلزل نہ کر سکے، حالانکہ محدث سورتی
کو معاش کی سہولتیں ندویوں کی طرف سے
حاصل تھیں جسے ان لوگوں نے بند کر دیا،
لیکن میرے حبیب فاضل (اللہ تعالیٰ انکو
سلامت رکھے) نے دنیاوی منافع کو
دین و آخرت کے منافع پر مؤخر نہ ہونے دیا،
اسی وقت میں نے ان کا نام الاسد الاشد
الارشد رکھدیا اور یہ اس کے
اہل ہیں بلکہ اس سے زیادہ بہتر ہیں،

او الاحسن من ھذا (المستند المعتمد بناء نجاة الابد تالیف مولانا احمد رضا بریلوی ص ۲۳۳)

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

میرے استاذ، فن حدیث کے امام (محدث سورتی) کو بیعت حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ سے تھی، مگر حضرت کی زبان پر پیر و مرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہیں آیا اور اعلیٰ حضرت کا بکثرت تذکرہ محویت کے ساتھ فرماتے تھے، میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ آپ کے پیر و مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیٰ حضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں،

فرمایا کہ جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا، مگر جب میں اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو مجھکو ایمان کی حلاوت مل گئی. اب میرا ایمان رسمی نہیں بلکہ بعونہٖ تعالیٰ حقیقی ہے، جس نے حقیقی ایمان بخشا، اسکی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔

میں نے عرض کیا، کیا وہ علم الحدیث میں آپ کے برابر ہیں، فرمایا، ہرگز نہیں، پھر فرمایا شاہزادہ صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیئے کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اگر میں سالہا سال ان سے اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں"[1]

مولانا وصی احمد محدث سورتی ایک استفتا کی تصدیق کرتے ہوئے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو ان خطابات سے یاد کرتے ہیں،

موجودہ صدی کے مجدد، شریعت مصطفوی کے مجدد، بحر زاخر حبر فاخر، محقق علامہ، مدقق فہامہ، شیخ العلماء، و شیخون الفضلاء، عالم نبیل، فاضل جلیل، صاحب حجۃ قاہرہ، مالک رقبۂ حکمت فاخرہ، سند اصحاب منقول فحول و مستند ارباب معقول، فقیہہ وجیہہ، محدث نبیہہ، آیۃ من آیات اللہ البینات، جبل ابن جبل اللہ الشامخات، عالم سنت امام اہل سنت سیدنا حضرت مولانا احمد رضا،[2] (باقی)

---

[1] خطبۂ صدارت یوم اعلیٰ حضرت منعقدہ شوال ۱۳۹۲ھ بمقام ناگپور، مشمولہ مقالات یوم رضا، مرتبہ قاضی عبد النبی کوکب و حکیم محمد موسیٰ امرتسری ص ۴۲ و مجدد اسلام مرتبہ مولانا نسیم بستوی و ماہنامہ مدنی تجلیات، ناگپور، امام احمد رضا نمبر [2] ماہنامہ مخزن تحقیق ملقب بہ تحفہ حنفیہ پٹنہ، مجریہ شعبان ۱۳۱۹ھ مرتبہ مولانا قاضی عبد الوحید عظیم آبادی، ص ۱۲

مقالہ نما

"مضامین الندوہ"

از سلمان شمسی ندوی

(۲)

طباطبائی، حیدر علی (مولانا)

تقسیم اقوام حسب رائے فلاسفہ فرنگ — اپریل ۱۹۱۱ء ص ۲۷-۲۸ حوالہ ۲۷۹/۸

طباطبائی حیدر علی (مولانا) — نومبر ۱۹۰۸ء ص ۳۱-۳۲ حوالہ ۲۷۹/۵

متشابہات

یہ بین میں اختلاف مذہب کا ایک سبب یہ ہے کہ کلام الٰہی میں متشابہات بھی ہوا کرتے ہیں، اور متشابہات کو کوئی فرقہ محکمات میں شمار کرتا ہے اور کوئی قابل تاویل سمجھتا ہے، پھر تاویل کرنے والوں میں اختلاف واقع ہوا کرتا ہے:

"متشابہات پر مختصر بحث"

عارف ندوی:

سلاطین ہند کی فیاضی اور علم و ہنر کی قدردانی، — جنوری ۱۹۱۶ء

ص ۳ - ۱۹ حوالہ ۲۸۶/۱۱

موضوع بالا پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے،

عبد السلام ندوی: — نومبر ۱۹۰۶ء

ایران کا قدیم خط — ص ۸ - ۲۶ حوالہ ۲۷۹/۳

"ابتک اس زبان کے اصول و فروع کے متعلق معلومات کا جس قدر ذخیرہ جمع ہو چکا ہے، اس موقع پر ہم ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

یہ زبان چونکہ نہایت قدیم زبان ہے، اس لیے اس پر تین دور گذرے ہیں، اور ہر دور کے اختلاف کے ساتھ حروف کے نام اور رسم الخط میں بھی تغیر پیدا ہو گیا ہے۔"

عبد السلام ندوی: فرقہ شعوبیہ۔ مارچ ۱۹۱۱ء ص ۲۵-۳۲ حوالہ ۲۷۹/۸

فرقہ کے عقائد و خیالات اور دعوت و تبلیغ پر بحث کی گئی ہے۔

عبد السلام ندوی:

فیا نوجی اور مسلمان ستمبر ۱۹۰۹ء، ص ۳۰-۳۳ حوالہ ۲۷۹/۴

"مسلمانوں کو غیر قوموں کے علوم و فنون سے ہمیشہ جو بے تعصبی رہی، اس کے لحاظ سے ہم جدید تعلیم یافتہ گروہ کی اس قدر دانی کی داد دیتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہم کو یہ گوارا نہیں ہے کہ مسلمانوں کی علمی تاریخ کا ایک حرف بھی مٹ جائے، اس بنا پر ہم اس فن کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ اس فن کا سنگ بنیاد در حقیقت مسلمانوں نے رکھا تھا"

عبد العلی صاحب مرحوم (ڈاکٹر)

روشنی کی رفتار جون ۱۹۱۶ء ص ۱۵-۲۴ حوالہ ۲۷۹/۴

جدید و قدیم نظریات کی روشنی میں موضوع سے متعلق دقیق علمی نکات بیان کیے گئے ہیں۔

عبد اللہ پھلواروی ندوی (مولوی) نومبر ۱۹۳۱ء

عربی زبان کے طرق تعلیم پر ایک ماہر فن کی رائے۔ ص ۲۵-۲۹ حوالہ ۲۸۰/۲

عربی زبان کے ایک ماہر فن شیخ تقی الدین ہلالی کے ایک طویل مضمون کا ترجمہ تلخیص کے ساتھ، جس میں اجنبی ملکوں میں عربی زبان کی تدریسی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے۔"

اور سائنٹفک تعلیم پر بحث کی گئی ہے۔

عبد الواحد ندوی:

قانون اگست و ستمبر ۱۹۰۹ء حوالہ ۲۷۹/۹

دائرۃ المعارف کے ایک باب کا ترجمہ جس میں قانون، انواع قانون اور دنیا کے بڑے بڑے قوانین سے بحث کی گئی ہے۔

عمادی، عبد اللہ

(۱) روس میں ایک اسلامی سلطنت۔ جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ

ص ۱۸-۲۴ حوالہ ۲۷۹/۲

ایشیا اور یورپ میں ہمیشہ سے ایک بین الاقوامی جنگ قائم ہے۔۔۔۔۔۔
ایک قدیم اسلامی سلطنت کا تعارف کرایا گیا ہے۔

(۲) صدر اول کی کتابیں مئی ۱۹۰۵ء ص ۲۳-۲۸ حوالہ ۲۷۹/۲

عام خیال ہے کہ ہجرت کی پہلی صدی میں کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور اسلامی تعلیمات کا وہ مجموعہ جس کو حدیث اور اخلاق کہتے ہیں، قریباً سو برس تک غیر مرتب رہا، سب سے پہلے تصنیفات کی ابتدا ابن جریج سے ہوئی،
اس مضمون میں مذکورہ بالا خیال کی تردید کی گئی ہے، اور تاریخ سے صدر اول کی تصنیفات کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔

(۳) عرب قدیم جون ۱۹۰۸ء ص ۱-۱۰ حوالہ ۲۷۹/۵

تحقیق کو جس قدر وسعت ہوئی یہی ثابت ہوا کہ قدیم اشوریوں اور بابلیوں کا اصل وطن عرب تھا، اس سلسلہ میں عرب قدیم پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور قدیم اقوام

ومقامات کا تعارف کرایا گیا ہے،

(۴) قدیم عربی سلطنتیں — جون ۱۹۰۸ء، ص ۱۰، ۲۳، حوالہ ۲۷۹/۵

اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں تمدن اور حکومت کی ابتداء عرب سے ہوئی، عربی حکومت کا ابتدائی مرکز اسلام کے قبل یمن تھا، اور سلاطین یمن نے دنیا کے مختلف ممالک فتح کیے اور متعدد قوموں کو باجگزار بنایا،

(۵) موبدان مجوس ہندوستان میں۔ — ستمبر ۱۹۰۵ء، ص ۳۔ ۱۶ حوالہ ۲۷۹/۲

اس مضمون میں ان پارسیوں کے مذہبی پیشواؤں (جن کو موبد کہتے ہیں) کا مختصر حال ہے، جو ہندوستان میں سکونت رکھتے تھے، اور جن کی تصنیفات وتالیفات اہل علم میں پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ حالات اسلامی تصنیفات سے لیے گئے ہیں، اس لیے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے لٹریچر اور تاریخ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے،

قمرالدین صاحب

علم صلہ اور اس کی ضرورت — اکتوبر ۱۹۱۳ء، ص ۷، ۱۸، حوالہ ۲۷۹/۹

صحیح انشاء کا جن اجزاء پر انحصار ہے، وہ محض صرف ونحو بلاغت کی معمولی واقفیت سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ان میں پوری مہارت کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے اقامۂ انشاء اور علم صلہ کی تعلیم ضروری ہے،

ماہر ندوی

ابنائے یعقوب — اپریل ۱۹۱۶ء

ص ۲ - ۱۴ حوالہ ۲۸۶

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر تاریخی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔

مترجم — نومبر ۱۹۰۸ء

طبقات ارض — ص ۲۳ - ۲۹ حوالہ ۲۷۹/۵

مدتوں کے کون وفساد کے عمل سے ایک طرف سے زمین یا پہاڑ کٹ کر دوسری طرف جزیرہ یا پہاڑ پیدا ہوجاتا ہے یا کسی خاص زمین کے ٹکڑے پر دوسری زمین کی ایک نئی تہہ چڑھ جاتی ہے، ان ہی تہوں کو زمین کے طبقات یا طبقات الارض کہتے ہیں،

معین الدین ندوی — جولائی ۱۹۱۵ء

فظائع البشر — ص ۱۳ - ۲۲ حوالہ ۲۸۵

محققین علم الآثار قدیم انگلستان کو بھی مردم خواروں کی ایک نوآبادی بتاتے ہیں، کیونکہ وہاں آدمی کی ہڈیوں پر انسان کے دانت کے علامات پائے گئے ہیں، انگلستان میں خاص خاص عبادت کے اوقات میں انسانی قربانی کا رواج زمانہ قدیم سے جاری تھا،

تحریکیں اور درسگاہیں

اکرام اللہ خاں — جولائی ۱۹۱۵ء

(۱) ندوۃ العلماء سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ — ص ۲۹ - ۳۵ حوالہ ۲۸۵

بعض اعتراضات کا جواب

(۲) ندوۃ العلماء کا نصب العین — فروری ۱۹۱۵ء ص ۴ - ۸ حوالہ ۲۸۵

ہندوستان میں سب سے پہلے ندوۃ العلماء نے مذہبی تعلیم کے نظام پر غور کیا اور مسلسل غور وفکر کے اس نتیجہ پر پہنچا کہ مخصوص مذہبی تعلیم کے لیے ایک جامعہ اسلامیہ (مذہبی یونیورسٹی) کی ضرورت ہے، جس میں وسیع پیمانہ پر اعلیٰ ساز وسامان کے ساتھ مذہبی تعلیم کا انتظام ہو

حامد علی ندوی — مارچ ۱۹۴۰ء مئی جون جولائی اگست

انجمن طلبائے قدیم ندوہ — ص ۲۲ - ۲۷ حوالہ ۲۸۶

تعارف

سلیمان ندوی، سید

(۱) ندوۃ العلماء کا نصب العین (تقریر)　　مئی ۱۹۱۵ء　　ص ۲ - ۱۵　　حوالہ ۲۸۵

ہندوستان جب انقلاب کی کشاکش میں تھا، چند روشن ضمیر بزرگوں نے موقع کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھا وہ اٹھے اور آواز دی، آواز ایسی شیریں اور دلپسند تھی کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اس کے جواب میں لبیک کی صدائیں آئیں، ندوہ کی مجلس مرتب ہوئی، علمائے ہند جنکا مشغلہ صرف نزاع و کشاکش باہمی تھا، خواب سے چونکے، محبت اور ہمدردی کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور بالآخر قوم کے تمام امراض کا علاج دارالعلوم قرار پایا۔

(۲) دار الفنون طہران　　ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ　　حوالہ ۲۷۹/۴

(تعارف)

(۳) مصر کے مدارس　　اگست ۱۹۱۱ء　　ص ۳۰ - ۳۲　　حوالہ ۲۷۹/۸

مصر تعلیمی حیثیت سے روز بروز ترقی کرتا جارہا ہے، جدید اصلاحیں عمل میں آرہی ہیں، مذہبی مدارس میں بھی انقلاب ہورہا ہے اور جدید طرز پر مذہبی مدارس کی بنیاد پڑ رہی ہے۔

(۴) دار العلوم بیروت　　فروری ۱۹۱۲ء　　ص ۲۳ - ۲۸　　حوالہ ۲۷۹/۹

(تعارف)

(۵) جامع ازہر　　جولائی ۱۹۰۶ء　　ص ۵ - ۲۲　　حوالہ ۲۷۹/۳

"اسلامی مدارس کے نام صفحہ ہستی سے محو ہوچکے ہیں، جامع ازہر اپنی اسی پہلی شان و شوکت کے ساتھ اپنے علم دوست بانیوں کا نام زندہ کر رہا ہے، ہم ذیل کے مضمون میں اسی مدرسہ کا مرقع ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۶) ندوۃ العلماء کی تاریخ کا پہلا صفحہ　　فروری ۱۹۴۰ء

ص ۱۰ - ۱۶　　حوالہ ۲۸۰/۲

تحریک ندوۃ العلماء کی ابتدا اور اس سلسلہ کے اجلاس کا تذکرہ،

شبلی نعمانی، علامہ

(۱) ندوہ کیا کر رہا ہے،　　ستمبر و نومبر ۱۹۰۶ء　　حوالہ ۲۷۹/۳

"ماضی اور حال کا جائزہ نیز کارکردگی اور نقائص کا تجزیہ"

(۲) ندوہ کی نئی زندگی　　اگست ۱۹۰۸ء

ص ۱ - ۳　　حوالہ ۲۷۹/۵

تحریک ندوۃ العلماء کی ترقی اور تنزل کے اسباب پر نظر ڈالی گئی ہے۔

(۳) مشرقی کانفرنس　　اگست ۱۹۱۱ء

(ندوہ سے متعلق)　　ص ۱ - ۶　　حوالہ ۲۷۹/۸

مشرقی علوم کی تدریج و ترقی اور ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) ریاست حیدر آباد کی مشرقی یونیورسٹی　　مارچ ۱۹۰۹ء

(تعارف)　　ص ۶ - ۱۷　　حوالہ ۲۷۹/۶

(۵) ندوہ اور نصاب تعلیم　　جمادی الثانی ۱۳۲۴ھ

ص ۶ - ۱۷　　حوالہ ۲۷۹/۱

"ندوہ کے قائم ہونے کی سب سے بڑی ضرورت جو ظاہر کی گئی اور واقعی تھی بھی وہ نصاب تعلیم کی اصلاح تھی"

(۶) ندوہ کے مقاصد پر پہلی تقریر　　محرم ۱۳۵۹ھ　　حوالہ ۲۸۰/۱

عارف ندوی فروری ۱۹۱۶ء
شام کی ایک پُر اسرار جماعت ص ۱ - ۲۲ حوالہ ۲۸۶
شام کے تاریخی اور جغرافیائی حالات اور وہاں کی ایک قدیم سفاک جماعت کا حال،

عمران محمد خاں ندوی حافظ مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۴۰ء
(۱) جامعۂ ازہر حوالہ ۲۸۶
جامعہ ازہر کا تفصیلی جائزہ

ندوۃ العلماء مارچ ۱۹۱۵ء
حوالہ ۲۸۵
رپورٹ اجلاس چہاردہم منجانب ادارہ

ندوۃ العلماء مارچ ۱۹۱۶ء حوالہ ۲۸۶
رپورٹ اجلاس پانزدہم ۱۹۱۶ء منجانب ادارہ

عربی مدارس اور انکے مسائل

ابوالحسن علی ندوی جولائی ۱۹۴۰ء
عربی مدارس ص ۴ - ۱۱ حوالہ ۲۸۶
مدارس کے کچھ فرائض اندرونی ہیں کچھ بیرونی، اندرونی سے مراد وہ کام ہیں جو مدارس عربیہ کے اصحاب اور معلمین کو مدرسہ کے اندر انجام دینے چاہئیں، بیرونی سے مراد وہ خدمات ہیں، جن کا تعلق مدارس کی چہار دیواری سے باہر ہے

ابوالنظر حکیم امروہوی مارچ ۱۹۴۲ء
اسلام کے لال قلعے ص ۹ - ۱۸ حوالہ ۲۸۰/۳

عربی مدارس کی اصلاح وتنظیم اور اس کی اہمیت پر بحث،

انوار اللہ خاں بہادر شعبان ۱۳۲۲ھ
نصاب تعلیم ص ۸ - ۱۸ حوالہ ۲۷۹/۱
اسلامی نصاب تعلیم کی عہد بہ عہد تبدیلی و ترمیم کا جائزہ لیا گیا ہے،

رشید رضا مصری (علامہ) اپریل ۱۹۱۲ء
عربی افتتاحی تقریر، اجلاس ندوۃ العلماء حوالہ ۲۷۹/۹
رشید رضا مصری کی تقریر کا ترجمہ جو انھوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس سیزدہم ۱۹۱۲ء میں کی تھی، اس میں عربی تعلیم گاہوں کے مسائل پر بحث کی گئی ہے،

سلیمان ندوی سید مارچ ۱۹۴۰ء
(۱) غیر مذہبی عربی تعلیم حوالہ ۲۸۶/۱
ہندوستان میں انقلاب حکومت کے بعد سے جو مذہبی فتنے پیدا ہوئے وہ اسی غیر مذہبی عربی تعلیم کا نتیجہ ہے، سرسید مولوی چراغ علی اور ان کے رفقاء کی تحریک، قادیان کا ہنگامہ، اہل قرآن کا فتنہ، مشرقی صاحب کی تحقیق ان سب کا سرچشمہ وہ عربی تعلیم یا عربی زبان کی واقفیت ہے جس میں مذہبی تعلیم و تربیت کا عنصر شامل نہ تھا،

(۲) عربی مدارس کا نیا نظام مئی ۱۹۴۲ء حوالہ ۲۸۰/۳
عربی مدارس کی اصلاح وتنظیم اور ندوۃ العلماء کی تحریک کے تعارف اور ملک میں اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے،

شبلی نعمانی، علامہ شوال ۱۳۲۳ھ
فن نحو کی مروجہ کتابیں ص ۱ - ۵ حوالہ ۱۷۹/۱

اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ابن حاجب نے کافیہ میں مسائل نحو کو جس طریقہ سے مدون کیا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے بعد جس قدر کتابیں اس فن میں لکھی گئیں، گویا اس کی عکسی تصویریں تھیں، ایک مدت کی ممارست اور انس کی وجہ سے اب یہ خیال ہی نہیں آتا کہ اس طریقہ میں کوئی نقص ہوگا، لیکن آؤ تقلید کے دائرہ سے نکل کر دیکھیں کہ کیا ایسا ہی ہے،

شروانی حبیب الرحمن خاں جون ۱۹۴۲ء

عربی کا نیا نظام

ص ۳۵ - ۴۳ حوالہ ۲۸۰/۳

خطبہ، اجلاس ندوۃ العلماء۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم میں ترمیم و تبدیلی پر زور دیا گیا ہے،

عبدالحئی حسنی حکیم، مولانا)

ہندوستان نصاب درس

ہندوستان میں قدیم نصاب تعلیم کا جائزہ لیا گیا جو در اصل مصنف کی عربی کتاب الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ ہے،

ادبیات

غزل

از جناب ڈاکٹر ولی الحق انصاری

حجاب ناز سے نکل کے انجمن میں آگئی
ردائے رنگ اوڑھ کر کلی چمن میں آگئی

عروسِ زندگی ہوس کے مکر و فن میں آگئی
یہ سادہ لوح پھر فریب اہرمن میں آگئی

تری نگاہ شوخ میں حیا کا رنگ الاماں
لطافتوں کی روح کھنچ کے بانکپن میں آگئی

فسردگیِ دل نہ مٹ سکی نشاط دہر سے
خزاں رہی چمن میں گو بہار بن میں آگئی

کہاں سے یہ نفاق کی سموم تند و جانگسل
نحوستیں لیے ہوئے مرے وطن میں آگئی

حیاتِ جاوداں کے بھی لباس ہیں نئے نئے
کبھی قبا و تاج میں کبھی کفن میں آگئی

ہر ایک سمت رنگشش ہر ایک سمت اہرمن
حسینۂ حیات کیوں ہوس کے بن میں آگئی

یہ بس کی چشم بے بصر کی روشنی کے واسطے
لطافت بدن سمٹ کے پیرہن میں آگئی

عروج سفلگاں ہوا شریف مٹ کے رہ گئے
بہار بن میں آئی کیا خزاں چمن میں آگئی

بہار آئی مہوشوں کے رنگ و روپ میں کبھی
کبھی لباس نکہت گل و سمن میں آگئی

بنا ہوا ہے داغہائے غم سے لالہ زار دل
خزاں کے ساتھ ہی بہار بھی چمن میں آگئی

لگی ہے کیسی آگ اس کے دل میں جس کے فیض سے
حرارتِ حیات تو دلی کے فن میں آگئی

غزل

از جناب اسلم سندیلوی

تیری قدرت نے عطا کر کے شکستہ دل مجھے
کر دیا ہے جلوہ گاہِ ناز کے قابل مجھے

میری آشفتہ سری نے کر دیا کامل مجھے
مژدہ، اے جوشِ جنوں کونین ہیں حاصل مجھے

ناامیدی نے کیا ایسا شکستہ دل مجھے
سامنے ہے اور نظر آتی نہیں منزل مجھے

دہر کی رنگینیوں پر کر دیا مائل مجھے
خواہشاتِ دل نے کب رکھا کسی قابل مجھے

میری جہدِ مستقل کو کیوں ہو حاصل کی تلاش
کس لیے درکار ہوں خار و خس ساحل مجھے

قطرہ قطرہ ہے مری نظروں میں بحر بیکراں
ذرے ذرے میں نظر آتی ہے اک محفل مجھے

چاکِ شب سے پھر نمودِ صبح کے آثار ہیں
پھر نظر آتا ہے اٹھتا پردۂ محمل مجھے

ناخنِ تدبیر بھی دینا تھا قسامِ ازل
جب مقدر کا دیا تھا عقدۂ مشکل مجھے

دل نے جب دیکھا رو کشی کی وعدۂ میثاق سے
اس کی ہر دھڑکن نظر آنے لگی قاتل مجھے

کر دیا برباد تو نے اے دلِ خانہ خراب
عشق نے بخشا ہے اک تاریک مستقبل مجھے

ہر نفس کھلتا ہے مجھ پر یہ فریبِ ہست و بود
ہر قدم ملتی ہے اسلم اک نئی منزل مجھے

نوائے عصر

جناب یحییٰ اعظمی مرحوم کا جدید مجموعۂ کلام — قیمت تین روپے
مکتبہ دار المصنفین، اعظم گڈھ

مطبوعاتِ جدیدہ

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی (دفتر اول حصہ اول) — ترجمہ مولوی قاضی عالم الدین صاحب مرحوم، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۳۲۸ مجلد مع گرد پوش، قیمت مجلد عہ ۵ پیسے۔ پتہ: (۱) اللجنۃ العلمیہ چنچل گوڑہ حیدرآباد ۲۴ (۲) مکتبہ نشأۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ، حیدرآباد ۱

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات جو تین دفتروں پر مشتمل اور تصوف کی اہم اور مقبول ترین کتابوں میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ پہلی دفعہ ۱۹۱۳ء میں فضل الدین تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا، اس کے بعد کئی اڈیشن دوسری جگہوں سے چھپے، مگر اب یہ ترجمہ کمیاب تھا، اس لیے حیدرآباد کی اللجنۃ العلمیہ نے اس کا نیا اڈیشن شائع کرنے کا پروگرام بنایا، یہ اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے جو دفتر اول کے ابتدائی نصف حصہ اور دو سو مکتوبات پر مشتمل ہے، شروع میں پہلے اڈیشن سے ماخوذ مجدد صاحب کے کمالات و فضائل کے علاوہ ایک نئے مضمون کا اضافہ بھی ہے، اس میں مکتوبات کی خصوصیات اور بعض اہم مکتوب الیہم کے متعلق مختصر معلومات دیدیے گئے ہیں، یہ مکتوبات توحید خالص اور دین و شریعت کے اہم حقائق و معارف کا خزانہ، اس دور کے سیاسی و تمدنی حالات اور اکبری دور کے فتنوں کے خلاف مجدد صاحب کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں کا مرقع ہیں، مگر بڑے دقیق مباحث پر مشتمل ہیں، اس لیے عام لوگوں کی فہم

بے بالاتر ہیں، اس سے استفادہ کے لیے تصوف کے مسائل اور اکبری و جہانگیری عہد
کے وقائع سے واقفیت ضروری ہے، البلاغۃ العلیہ کی یہ علمی و دینی خدمت قابل تحسین ہے،

تلمیحات و اشارات اقبال - مرتبہ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی صاحب، تقطیع
متوسط، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت قدرے بہتر، صفحات ۳۰۴ مجلد مع گرد پوش
قیمت ۵ روپیے، پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ،

ڈاکٹر اقبال مرحوم اور ان کی شاعری پر بہت لکھا گیا ہے، لیکن ابھی تک اس
پہلو کی جانب کسی نے توجہ نہیں کی تھی، اس لیے لائق مرتب نے اس پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ
لکھا تھا، اس میں انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے کلام میں قرآن، حدیث، فلسفہ، تاریخ
وسیاست، مشرق و مغرب کے حکماء، شعراء، اور مقدس شخصیتوں انبیاء، صحابہ اور اولیاء
وغیرہ کی جانب جو تلمیحات و اشارات ہیں ان کو جمع کرکے ان کی ضروری تشریح کی ہے
اور اشخاص کے متعلق مختصر نوٹ اور آیتوں اور حدیثوں کے حوالے دیے ہیں، بعض
روایتوں کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کی ہے، ایک باب میں اقبال کی بعض نظموں کے
ماخذ بیان کیے ہیں، شروع میں ان کی شخصیت اور ماحول کا اور آخر میں ان کے
اسلامی پیغام و دعوت کا مختصر و جامع جائزہ لیا گیا ہے، یہ مقالہ جو پروفیسر رشید احمد
صدیقی کی نگرانی میں بڑی کد و کاوش سے لکھا گیا ہے، خاصے کی چیز اور اقبالیات میں
اچھا اضافہ ہے، مگر کتابت و املا کی غلطیاں تکلیف دہ اور قیمت زیادہ ہے،

عہد نبوی کا نظام تعلیم - مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب، تقطیع کلاں،
کاغذ، کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۵۰، قیمت عہ پتہ الہدی بک ایجنسی
جگہ روڈ، توپ بازار، حیدر آباد ۱۲

مشہور فاضل و نامور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ۱۹۳۹ء میں رسالہ اسلامک کلچر
حیدر آباد کے لیے یہ مقالہ انگریزی زبان میں لکھا تھا، پھر اس کو اردو میں منتقل کر کے انھوں
نے معارف میں شائع کرایا اور اس کے کئی اڈیشن اصلاح و اضافہ کے بعد شائع ہوئے
ہے، ایک اڈیشن فرانسیسی زبان میں بھی نکلا ہے، اور اب اس کا نواں جامع تر اڈیشن
شائع کیا گیا ہے، اس پر معارف میں پہلے تبصرہ ہو چکا ہے، اس میں اسلام سے پہلے کے
جاہلی اور اس کے بعد کے عہد نبوی کے نظام تعلیم کا مفصل خاکہ ہے، اس کی قدر و قیمت کا
اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے ہو گا،

اردو میں وہابی ادب - مرتبہ جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی متوسط تقطیع، کاغذ،
کتابت و طباعت نہایت عمدہ صفحات ۵۲ قیمت ۱ر پتہ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی

دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے لائق صدر خواجہ احمد صاحب فاروقی نے اگست ۶۱ء میں مستشرقین
کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ مشی گن (امریکہ) میں یونیورسٹی کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی تھی،
زیر نظر مقالہ اسی اجلاس میں پڑھے جانے والے انگریزی مقالے کا اردو ترجمہ ہے، اس میں انھوں نے
انیسویں صدی کے اوائل کی مجاہدین کی تحریک کے خط و خال اسکی ہمعصر تحریروں کے آئینہ میں دکھائی
ہے، اسکا سرچشمہ ولی اللہی تحریک ہے جسکو بدنام کرنے کیلیے وہابی تحریک کے نام سے موسوم کر دیا گیا اور اب
یہ نام اسقدر رائج ہو چکا ہے کہ اسکو ترک کر دینے سے اشتباہ ہو جاتا ہے، اس میں پہلے ان عوامل و حالات کو
بیان کیا گیا ہے جو اس تحریک کے ظہور کا باعث ہوئے تھے، مثلاً شرک و بدعت کے وہ رسوم و اعمال، باطل
افکار و عقائد اور ہندوانہ تہذیب و معاشرت کے اثرات جو اس زمانہ کے مسلمانوں میں پوری طرح
سرایت کیے ہوئے تھے، پھر انکی روشنی میں تحریک کے اغراض و مقاصد، مذہبی و سیاسی پہلو اور ادبی
حیثیت کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور وہابی تصنیفات کی اردو ادب میں اہمیت و ارتقاء میں اثرات

دکھائے گئے ہیں، مقالہ کے آخر میں تحریک سے متعلق کتابوں کی فہرست اور مختصر تعارف بھی ہے، مقالہ پُر از معلومات اور دلچسپ تو ہے ہی، خواجہ صاحب کے دلکش انداز بیان اور شگفتہ نگار قلم نے اس کو مزید دلچسپ تر بنا دیا ہے، مگر تعجب ہے کہ ان کے ذمہ دار قلم نے شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ کے بارہ میں بعض بے سروپا اور غیر مستند روایتیں نقل کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا ہے۔

احسنُ العقائد و آموزگارِ پارسی } مرتبہ جناب مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی تقطیع خورد کاغذ کتابت وطباعت اچھی، صفحات ۲۲ و ۴۸، قیمت، بلا۔

پتہ: شعبۂ نشریات اسلام مولانا آزاد تعلیمی مرکز، اسرہٹہ، شاہ گنج، جونپور

پہلے کتابچہ میں ملا محمود صاحب شمس بازغہ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عقائد سے متعلق دو مختصر رسالے شامل ہیں معلوم نہیں ملا صاحب کا رسالہ کبھی اور بھی چھپا ہے یا نہیں لیکن شاہ صاحب کا رسالہ بارہا چھپ چکا ہے اور اس کے فارسی واردو ترجمے اور شرحیں بھی لکھی گئی ہیں، فاضل مرتب نے ان امور کی کوئی صراحت نہیں کی ہے، دونوں رسالوں میں اہلسنت والجماعت کے عقائد کی ترجمانی کی گئی ہے، اور بقول مرتب عقائد کی صحت ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے اس لیے ان کی اشاعت ایک مفید علمی و دینی خدمت ہے، دوسرا رسالہ فارسی کے مبتدیوں کو ضروری مبادی وقواعد اور روزمرہ محاورات سکھانے کے لیے جدید انداز میں لکھا گیا ہے، مرتب کو فارسی زبان وادب کا ذوق ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ سے ملا ہے، جن کی عربی کی طرح فارسی اصول وقواعد پر بھی مجتہدانہ نظر تھی، زیرِ نظر رسالہ میں مولانا کے اشارات مزید اضافے کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں، یہ کتابچہ نصاب میں داخل کیے جانے کے لائق اور مبتدیوں کے لیے مفید ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۹ ۔ ماہ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۲ء ۔ عدد ۵

مضامین

مقالات